ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ
اگست ۲۰۱۸ء

ماہنامہ میثاق لاہور

تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- عقل، فطرت اور ایمان (درسِ قرآن)
  شجاع الدین شیخ
- حج کی اہمیّت وفضیلت اور احکام ومسائل
  ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن

- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- بڑے سائز میں
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 4000 روپے

عوامی ایڈیشن

- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل

مکمل سیٹ کی قیمت: 2200 روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	67
شمارہ :	8
ذوالقعدہ	1439ھ
اگست	2018ء
فی شمارہ	30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک	300 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

مکتبہ خدام القرآن لاھور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 ، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: **www.tanzeem.org**

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36316638 - 36366638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5

”پیغامِ پاکستان“ اور تنظیمِ اسلامی کا موقف — حافظ عاکف سعید

بیانُ القُرآن 9

سورۃ فاطر (آیات ۲۷ تا ۴۵) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ قرآن حکیم 21

عقل، فطرت اور ایمان:
سورۂ آلِ عمران کی آیات کی روشنی میں — شجاع الدین شیخ

تربیت و تزکیہ 29

ابراہیمی تربیتی نصاب اور اس کے ثمرات — محمد رشید عمر

ثانیَ اثنَین 36

جانشینِ مصطفیٰ ﷺ: سیدنا صدیقِ اکبرؓ — محمد محب اللہ نوری

ارکانِ اسلام 51

حج کی اہمیت وفضیلت اور احکام و مسائل — ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی

تصویرِ وطن 71

پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ! — محمد ندیم اعوان

انوارِ ھدایت 89

میّت کے حقوق اور پسماندگان کی ذمہ داریاں — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’’پیغامِ پاکستان‘‘ کے حوالے سے
تنظیمِ اسلامی کا موقف (بیانیہ)

حال ہی میں حکومتی سطح پر ایک اہم ایشو پر پاکستان کے اسلامی تشخص کے حوالے سے ایک بیانیہ کا اجراء ہوا ہے۔ پاکستان کے معروف اور مستند علماء کرام سے اس کی توثیق کا اہتمام بھی کیا گیا۔ ملک کے چوٹی کے علماء کی اکثریت نے حکومتی بیانیے کی جزوی تائید کرتے ہوئے مختلف پہلوؤں سے اختلافِ رائے کا اظہار بھی کیا —— تاہم حکومتی سطح پر ایک مخصوص بیانیے کو فیصلہ کن قرار دیا گیا۔ ع رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند!

یہ سوال کہ پاکستان حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست ہے یا نہیں ہے؟ عام دینی حلقوں میں اس پر کم ہی گفتگو کی جاتی ہے‘ جبکہ تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس بارے میں نہ صرف یہ کہ ایک واضح موقف رکھتے تھے بلکہ اپنی تحریروں اور تقاریر میں دوٹوک انداز میں اس کا اظہار بھی کرتے تھے‘ اور بالخصوص اہم قومی ایام مثلاً یومِ پاکستان ۲۳ مارچ اور یوم آزادی ۱۴/اگست کے مواقع پر ان موضوعات پر خصوصی خطابات اور سیمینار وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے تھے‘ اور بحمد اللہ تنظیم اسلامی کی سطح پر یہ کام آج بھی جاری ہے۔

تنظیم اسلامی اور اس کے بانی کے موقف کا خلاصہ نکات کی شکل میں درج ذیل ہے:

۱) پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ کون نہیں جانتا کہ مسلمانانِ برصغیر نے آزادی کی تحریک اس بنیاد پر چلائی تھی کہ ’’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!‘‘ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائیدِ غیبی کا مظہر تھا۔ اس حقیقت کا اظہار قائداعظم نے بھی اپنے معالجین کی ایک ٹیم کے سامنے کیا تھا‘ جس کے راوی ڈاکٹر ریاض علی شاہ ہیں‘ جو قائداعظم کے آخری ایام میں

اس ٹیم کا حصہ تھے۔

۲) قیامِ پاکستان کے فوراً بعد قومی سطح پر قراردادِ مقاصد منظور کی گئی جس میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا ببانگِ دہل اقرار کیا گیا۔ بعدازاں اسے دستورِ پاکستان کا باقاعدہ جزو بنا دیا گیا۔ اور اسی کی بنیاد پر پاکستان کو دستوری طور پر ایک اسلامی ریاست کا مقام نظری طور پر حاصل ہوگیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔ واضح رہے کہ پاکستان کا آئینی نام ’اسلامی جمہوریہ پاکستان‘ ہے‘ جبکہ عالم اسلام کے دیگر ممالک میں سے کسی کے نام میں بھی ’’اسلام‘‘ کا لفظ شامل نہیں ہے۔

۳) قیامِ پاکستان کے بعد قراردادِ مقاصد کی منظوری دینی حوالے سے ایک مثبت پیش رفت تھی‘ جس میں اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کا واضح اقرار موجود تھا‘ اور بعدازاں اس قراردادِ مقاصد کو دستورِ پاکستان کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا۔ لیکن دستور کی اس شق کو پورے دستور پر حاوی قرار نہیں دیا گیا۔ چنانچہ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ دستور میں ایک جانب اللہ کو حاکم اعلیٰ قرار دیا گیا ہے‘ تو دوسری جانب اسی دستور کی بعض شقیں صریحاً خلافِ اسلام بھی ہیں‘ اور نہایت قابلِ افسوس امر ہے کہ ہماری اعلیٰ عدلیہ نے بھی دستور کی تشریح کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ دستور کی کوئی ایک شق دوسری پر حاوی نہیں ہے۔ چنانچہ دستور کے اس ابہام کی آڑ میں انہوں نے بہت سے مواقع پر صریحاً خلافِ اسلام فیصلے صادر ’’فرمائے‘‘۔ اور اپنے ان شرمناک ’’تاریخی‘‘ فیصلوں کے ذریعے ثابت کر دیا کہ دستور میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار محض نمائشی ہے‘ حقیقت میں ہم اس دستور کے تحت اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو عملاً تسلیم نہیں کرتے۔ (واضح رہے کہ اسی تناظر میں بانیٔ تنظیم اسلامی نے نواز شریف کو‘ جب وہ ہیوی مینڈیٹ کے ساتھ کامیاب ہوئے تھے‘ مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اسمبلی میں اپنی دو تہائی اکثریت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دستور میں چند ضروری ترامیم کریں‘ جس کے ذریعے اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کو حقیقی معنوں میں مؤثر بنایا جا سکے۔)

۴) اس تناظر میں بانی تنظیم اسلامی کا موقف یہ تھا کہ چونکہ ہمارے دستور میں نظری طور پر اللہ تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ (Sovereign) مانا گیا ہے‘ لہٰذا ریاست پاکستان کو اسلامی ریاست تسلیم کیا جائے گا‘ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ عملاً اللہ کی حاکمیت کا عملی نفاذ یہاں

ریاستی سطح پر سرے سے کیا ہی نہیں گیا' بلکہ آج تک بھی کم و بیش ہمارا پورا حکومتی و ریاستی نظام انگریز کے بنائے ہوئے قوانین پر ہی چل رہا ہے۔

مصورِ پاکستان علامہ اقبال اور معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نئی ریاست پاکستان کے اسلامی فلاحی ریاست ہونے کے حوالے سے مکمل فکری ہم آہنگی رکھتے تھے۔ خطبہ الہ آباد میں علامہ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانانِ برصغیر کو آزاد خطہ زمین اس لیے درکار ہے تاکہ دورِ ملوکیت میں اسلام کے روشن چہرے پر جو بدنما داغ پڑ گئے تھے انہیں دور کر کے دنیا کو ایک حقیقی اسلامی ریاست کا نمونہ پیش کیا جائے۔ اور بانیٔ پاکستان قائداعظم کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے' فرماتے ہیں کہ پاکستان کا آئین تو تیرہ سو سال پہلے قرآن پاک کی صورت میں نازل ہو چکا ہے۔ لیکن آج ہم ریاست کی سطح پر قرآن پاک کی تعلیمات اور سنتِ رسولؐ سے عملی طور پر کوسوں دور ہیں۔ قرآن پاک نے انسان کی اجتماعی زندگی کے سیاسی اور معاشی گوشوں کے حوالے سے بنیادی اصول فراہم کر دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج قیام پاکستان کے ۷۱ سال بعد بھی ملکی معیشت کی بنیاد سود پر ہے۔ حالانکہ ہماری وفاقی شرعی عدالت ۱۹۸۱ء میں بینک انٹرسٹ کو سود قرار دے کر حکومت کو یہ فیصلہ سنا چکی تھی کہ ایک سال کے اندر اندر سودی معیشت کا خاتمہ کیا جائے اور اس کے متبادل اسلامی مالیاتی قوانین کی روشنی میں مکمل لائحہ عمل بھی حکومت کو دے دیا گیا تھا' لیکن اس واضح فیصلے کے آنے کے بعد بھی آج تک ہم سودی نظام کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ سود کے حوالے سے قرآن حکیم کا دوٹوک فرمان ہے کہ ''اگر تم سود سے باز نہیں آتے تو سن لو' اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے''۔ اس تناظر میں کہ ہم بحیثیت ریاست ڈھٹائی کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں' پاکستان کو اسلامی ریاست قرار دینا کیا مشکوک نہیں ہو جاتا؟ قرآن پاک میں اللہ ربّ العزت نے اسلامی معاشرتی نظام کو بھی بہت اہمیت دی ہے اور اُسے کھول کر بیان کیا ہے' لیکن بدقسمتی سے معاشرتی اور سماجی حوالے سے ہماری پستی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ہم نے بطور ریاست پرویز مشرف کے دور سے مغربی تہذیب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے' جو اَب ریاست پاکستان میں نیچے عوام تک سرایت کر چکا ہے۔ عریانی اور بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ عورت کا پردہ اور مرد و زن کا نگاہیں نیچی رکھنا

جس کا قرآن پاک واضح حکم دیتا ہے' اسے (معاذ اللہ!) پسماندگی اور جہالت سمجھا جانے لگا ہے۔ مغرب کی تقلید کرتے ہوئے عورت کو شمع محفل ہی نہیں' مارکیٹ commodity بنا دیا گیا ہے۔ عورت کو مرد کو لبھانے کی ذمہ داری دے دی گئی ہے تاکہ تجارت اور کاروبار کو ترقی دی جا سکے۔ ریاستی سطح پر بھی خلافِ اسلام اور خلاف آئین قانون سازی ہو رہی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں ایک فوجی طالع آزما نے ایسے عائلی قوانین نافذ کیے تھے جسے مسلمانوں کے تمام مسالک نے غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دیا تھا' لیکن آج تک ان میں کوئی تبدیلی جمہوری اور سول حکومت بھی نہ لا سکی' حالانکہ جماعتی اور گروہی مفاد میں انہوں نے آئین میں متعدد ترامیم بھی کی ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حقوقِ نسواں کے تحفظ کی آڑ میں خلافِ شریعت قوانین کا مسلسل اضافہ کیا جاتا رہا ہے۔

قصہ کوتاہ' ریاستی سطح پر ہمارا معاشی نظام سود پر استوار ہے' جس کے حوالے سے ازروئے قرآن ہم اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں۔ گویا ہمارا شمار اللہ کے باغیوں میں ہے۔ ہمارے معاشرتی اور عائلی نظام میں بے شمار شقیں صریحاً خلاف اسلام ہیں۔ ہمارا سارا حکومتی نظام آج بھی انگریزوں کے بنائے ہوئے اصولوں پر چل رہا ہے۔ اسی طرح ہمارا عدالتی نظام بھی صریحاً اسلام کے خلاف ہے اور اس میں کسی تبدیلی کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔

ایسے معاشرے میں جہاں ریاستی اور آئینی سطح پر اللہ کی حاکمیت کو زبانی طور پر تسلیم کیا جاتا ہو لیکن عملی طور پر وہ معاشرہ اسلامی قوانین اور نظام سے محروم ہو' وہاں علماء کرام کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں۔ ایسے 'مسلمان' معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اہم ترین بن جاتا ہے۔ بالخصوص نہی عن المنکر اگر نہ کیا جائے تو قرآن وحدیث کی رُو سے ایسے معاشرے پر دنیا میں بھی اللہ کی طرف سے پھٹکار مسلّط کر دی جاتی ہے اور وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوتے ہیں۔ (بحوالہ سورۃ المائدۃ' آیات: ۶۳ اور ۷۸)

اب آئیے' اُس نکتے کی طرف جس بنا پر پیغام پاکستان کے اجراء کی ضرورت محسوس کی گئی اور وہ ہے دہشت گردی سے نجات حاصل کرنا۔ تنظیم اسلامی کے نزدیک دہشت گردی کا ارتکاب ایک گھناؤنا فعل ہے جو قابلِ مذمت ہی نہیں قابلِ نفرت بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا تمام دہشت گرد پیدائشی دہشت گرد تھے؟ (باقی صفحہ 96 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ فَاطِر

آیات ۲۷ تا ۳۷

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا
اَلۡوَانُہَا ؕ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہَا وَغَرَابِیۡبُ
سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ کَذٰلِکَ ؕ اِنَّمَا
یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ
کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ
تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَیَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوۡرٌ
شَکُوۡرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ ہُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ
یَدَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا
مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡہُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ۚ وَمِنۡہُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡہُمۡ سَابِقٌۢ
بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا
یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَہَبٍ وَّلُؤۡلُؤًا ۚ وَلِبَاسُہُمۡ فِیۡہَا حَرِیۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا
الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَذۡہَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا
دَارَ الۡمُقَامَۃِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیۡہَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾
وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ نَارُ جَہَنَّمَ ۚ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡہِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا وَلَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمۡ
مِّنۡ عَذَابِہَا ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ کُلَّ کَفُوۡرٍ ﴿۳۶﴾ وَہُمۡ یَصۡطَرِخُوۡنَ فِیۡہَا ۚ رَبَّنَاۤ
اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ؕ اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡکُمۡ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیۡہِ
مَنۡ تَذَکَّرَ وَجَآءَکُمُ النَّذِیۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۳۷﴾

آیت ۲۷ ﴿اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ﴾ ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی؟“

﴿فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہَا ؕ﴾ ”پھر ہم نے نکالے اس سے پھل جن کے رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں!“

﴿وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہَا وَغَرَابِیۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾﴾

”اور پہاڑوں میں بھی دھاریاں ہیں سفید اور سرخ‘ ان کے مختلف رنگ ہیں اور کوّوں جیسے سیاہ بھی۔“

پہاڑوں کے اندر مختلف رنگوں کی دھاریاں (layers) اور چٹانیں کاغان کے راستے میں بہت نظر آتی ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ کَذٰلِکَ ؕ﴾ ”اور اسی طرح انسانوں‘ جانوروں اور چوپایوں کے بھی مختلف رنگ ہیں۔“

﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿۲۸﴾﴾ ”یقیناً اللہ سے ڈرتے تو اس کے بندوں میں سے وہی ہیں جو اہل علم ہیں۔ یقیناً اللہ بہت زبردست ہے‘ نہایت بخشنے والا۔“

انسان کے دل میں اگر ایمان موجود ہے تو اس کے اندر لازماً خوفِ خدا بھی ہوگا۔ پھر جس قدر اُس کے علم میں اضافہ ہوگا‘ ارضیات‘ حیوانات‘ نباتات وغیرہ سے متعلق اس کی معلومات بڑھیں گی اور کائنات کے دیگر اَسرار و رموز کے بارے میں اس کا مطالعہ وسیع ہوتا چلا جائے گا اسی قدر اس کے دل میں اللہ کی عظمت اور خشیت بھی بڑھتی چلی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی شخص بنیادی طور پر صاحبِ ایمان نہیں ہے تو اللہ کی معرفت کے حوالے سے اس کی سماعت و بصارت اور سمجھ بوجھ سب بے کار ہیں۔ اس حوالے سے آج کے سائنسدانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ آئے دن نئے نئے مشاہدات کرتے ہیں‘ اور کائنات کے عجیب و غریب رازوں سے پردے اٹھاتے ہیں مگر اس ساری تدقیق و تحقیق کے دوران انہیں اللہ کی ذات کہیں نظر نہیں آتی۔ چنانچہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور حکمت و صناعی کی پہچان صرف وہی دل کر سکتا ہے جس کے اندر ایمان کی روشنی موجود ہے۔ ایسے دل میں اللہ کی معرفت جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے

ویسے ویسے اس کی خشیت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

آیت ۲۹ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں“

﴿وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً﴾ ”اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خفیہ اور اعلانیہ“

﴿یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾﴾ ”وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوگا۔“

اللہ کے راستے میں جان و مال خرچ کرنے کو قرآن میں تجارت سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ سورۃ الصف میں اس حوالے سے پہلے اہلِ ایمان سے سوال کیا گیا: ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۱۰﴾﴾ ”اے اہلِ ایمان! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کے بارے میں بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟“ اور پھر جواب میں یوں فرمایا گیا: ﴿تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ﴾ (آیت ۱۱) ”(وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس کے راستے میں جہاد کرو اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔“

کسی بھی کاروبار اور تجارت کو کامیاب کرنے کے لیے سرمایہ اور محنت دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح دنیا میں تم اپنی تجارت کو فروغ دینے اور زیادہ منافع کمانے کے لیے بڑھ چڑھ کر سرمایہ لگاتے ہو اور پھر اس میں دن رات کی محنت سے جان بھی کھپاتے ہو، اسی طرح جان و مال لگا کر اگر تم اللہ کے ساتھ تجارت کرو گے تو اس میں تمہیں کبھی نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا اور منافع بھی ایسا ملے گا کہ تم آخرت کے عذاب سے چھٹکارا پا کر ہمیشہ کی کامیابی سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

آیت زیر مطالعہ میں نیک اعمال کی ترغیب کو عام فہم بنانے کے لیے تجارت کی تشبیہہ کا استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل قرآن مجید بنیادی باتوں کو سمجھانے کے لیے عموماً ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آسانی سے آجائیں۔ جیسے سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ﴾ ”یقیناً

اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔“ اس آیت میں بھی ایک ”سودے“ کی بات کی گئی ہے تاکہ ہر آدمی مضمون کے اصل مدعا کو سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کرلے جو اس کے ساتھ اپنے مال و جان کا سودا کرنے والے ہیں!

آیت ۳۰ ﴿لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ ﴿۳۰﴾﴾ ”تاکہ اللہ ان کو ان (کے اعمال) کے بھرپور اجر دے اور اپنے فضل سے انہیں مزید عطا کرے۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بہت قدردان ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غلطیوں کو معاف کرنے والا اور ان کے اعمال کی بہت قدر افزائی فرمانے والا ہے۔

آیت ۳۱ ﴿وَ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ ہُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ ؕ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے جو وحی بھیجی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے، وہی حق ہے، تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس (کتاب) کی جو اس سے پہلے موجود ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۳۱﴾﴾ ”یقیناً اللہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، انہیں دیکھنے والا ہے۔“

آیت ۳۲ ﴿ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ﴾ ”پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کتاب کی وراثت کے لیے چُن لیا ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الحج کی آخری آیت میں واضح تر انداز میں آچکا ہے: ﴿وَ جَاہِدُوۡا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ؕ ہُوَ اجۡتَبٰىکُمۡ﴾ ”اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسے کہ اُس کے لیے جہاد کا حق ہے، اس نے تمہیں چُن لیا ہے“۔ سورۃ الحج میں اس مفہوم کے لیے لفظ ”اِجۡتَبٰی“ استعمال ہوا ہے جبکہ آیت زیر مطالعہ میں لفظ ”اِصۡطَفٰی“ آیا ہے۔ سورۃ الحج کے مطالعے کے دوران بھی ذکر ہوا تھا کہ اجتباء اور اصطفاء دونوں قریب المفہوم الفاظ ہیں، لیکن لغوی مفہوم کے اعتبار سے ان دونوں میں ایک لطیف سا فرق بھی ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے آپ انگریزی کے دو الفاظ to select اور to choose کو ذہن میں رکھیے۔ choose میں پسند (choice) کارفرما ہوتی ہے

اور اس کا تعلق ''ذوق'' سے ہے کہ کوئی اپنے ذوق کے مطابق کیا پسند (choose) کرتا ہے' جبکہ انتخاب (selection) ہمیشہ کسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس فرق کو اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے:

selection for something - and - choice out of something

ان دونوں الفاظ کے مذکورہ معانی کو اگر امت مسلمہ پر منطبق کریں تو یہ اہم حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس امت کے اجتباء (selection) میں ایک عظیم مقصد کارفرما ہے جبکہ اصطفاء (choice) کے حوالے سے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ دونوں الفاظ نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی آئے ہیں (محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ) اور مذکورہ دونوں آیات (زیر مطالعہ آیت اور سورۃ الحج کی آخری آیت) کے حوالے سے حضور ﷺ کی اُمت کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

بہر حال اس اُمت کو پسندیدہ (chosen) قرار دے کر اجتباء (selection) کے اعزاز سے نواز تو دیا گیا لیکن بعد میں کیا ہوا؟

﴿فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ﴾ ''تو ان میں سے کچھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔''

یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تو مانتے ہیں' مگر عملاً کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی پیروی میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡهُ مُرِیۡبٍ ﴿۱۴﴾﴾ یعنی انبیاء کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے جاتے ہیں وہ اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

﴿وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ﴾ ''اور ان میں کچھ درمیانی راہ پر چلنے والے ہیں۔''

یعنی ایسے لوگ جو نیکی بھی کرتے ہیں اور ان سے برائی بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ سورۃ التوبہ میں ایسے اہلِ ایمان کا ذکر بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ﴾ (آیت ۱۰۲) ''انہوں نے اچھے اور برے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔''

﴿وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور ان میں سے کچھ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں' اللہ کی توفیق سے۔''

ان میں سے کچھ ایسے خوش قسمت بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی عطا کردہ توفیق سے دین کی

خدمت کرنے' حق کی دعوت کو پھیلانے' اللہ کی کتاب کا حق ادا کرنے اور ہر اچھے عمل میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

﴿ذٰلِکَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿۳۲﴾﴾ ''یہی بہت بڑی فضیلت ہے۔''

آیت ۳۳ ﴿جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا﴾ ''(ان کے لیے) باغات ہوں گے رہنے کے جن میں وہ داخل ہوں گے''

''جَنّٰتُ عَدۡنٍ'' کا ترجمہ ''ہیشگی کے باغات'' بھی کیا گیا ہے اور ''رہنے کے باغات'' (residential gardens) بھی۔

﴿یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿۳۳﴾﴾

''ان میں انہیں پہنائے جائیں گے سونے کے کنگن اور موتی' اور ان میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔''

سورۃ الحج کی آیت ۲۳ میں بھی بالکل یہی الفاظ آئے ہیں۔

آیت ۳۴ ﴿وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ﴾ ''اور وہ (جب جنت میں داخل ہوں گے تو) کہیں گے کہ کُل حمد اور کُل شکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔''

واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں قبل ازیں آیت ۳۲ میں ''سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ'' کا لقب ملا ہے۔ آیت ماقبل میں اس اُمت کے تین گروہوں کا ذکر ہوا ہے' یعنی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے' درمیانی راہ پر چلنے والے اور بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے۔ یہاں پر ربطِ کلام کو مدنظر رکھا جائے تو آیات ۳۳' ۳۴ اور ۳۵ کے مضمون کا تعلق آیت ۳۲ کے آخری الفاظ سے ہے۔ یعنی ان آیات میں اُمت کے مذکورہ آخری گروہ (سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ) کو عطا کیے جانے والے انعامات کا ذکر ہے۔ البتہ کچھ لوگ اس کی تعبیر یوں بھی کرتے ہیں کہ یہ نعمتیں اور خوشخبریاں امت کے ان تینوں گروہوں کے لیے ہیں جن کا ذکر آیت ماقبل میں ہوا ہے۔ یہ تعبیر گویا ان لوگوں کے دل کی آواز ہے جو چاہتے ہیں کہ انہیں بغیر کوئی محنت اور کوشش کیے اور بغیر کوئی قربانی دیے جنت کے انعامات اور اونچے اونچے مقامات مل جائیں۔

﴿اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۣ ۳۴﴾ ''یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا اور بہت قدر افزائی فرمانے والا ہے۔''

آیت ۳۵ ﴿الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ ''جس نے ہمیں ہمیشہ آباد رہنے والے گھر میں لا اُتارا ہے اپنے خاص فضل سے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہم پر خاص فضل اور کرم فرمایا ہے کہ اس نے ہمیں جنت میں جگہ عطا کی ہے۔ اہل جنت کی اس سے ملتی جلتی دعا اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف کی آیت ۴۳ میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ ''کل تعریف اور کُل شکر اُس اللہ کا ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچا دیا' اور ہم ہرگز نہ پہنچ پاتے اگر اللہ ہی ہمیں نہ پہنچاتا۔''

﴿لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ۳۵﴾ ''اب ہمیں اس میں نہ تو کوئی مشقت جھیلنی پڑے گی اور نہ ہی اس میں ہمیں کوئی تکان لاحق ہوگی۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ﴾ ''(اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی۔''

﴿لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ﴾ ''نہ تو ان کا قصہ چکایا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ہی ان کے لیے اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔''

اُس وقت اہل جہنم کی سب سے بڑی خواہش تو یہی ہوگی کہ انہیں موت آ جائے اور وہ اس کے لیے دعا بھی کریں گے۔ سورۃ الفرقان میں ان کی اس خواہش اور دعا کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا ہے: ﴿لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ۱۴﴾ ''(تب ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو!''

﴿كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۳۶﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکرے انسان کو۔''

آیت ۳۷ ﴿وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا

نَعْمَلُ ۭ﴾ ''اور وہ اس میں چیخ و پکار کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں (یہاں سے) نکال لے! اب ہم نیک اعمال کریں گے' ان اعمال سے مختلف جو ہم (پہلے) کیا کرتے تھے۔''

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ﴾ ''کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں سبق حاصل کر لیتا جس نے سبق حاصل کرنا چاہا؟''

ہم نے تمہیں عمر کی مناسب مہلت دی تھی۔ اسی مہلت میں کچھ لوگوں نے دنیا میں رہتے ہوئے غیب کے پردوں میں ہمیں پہچانا۔ وہ ہم پر ایمان لائے اور بھلائی کا راستہ اختیار کر کے جنت میں پہنچ گئے۔ عمر کی اس مہلت میں اگر وہ لوگ راہِ راست پر آ سکتے تھے تو تم لوگ ایسا کیوں نہیں کر سکتے تھے؟

﴿وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ۭ﴾ ''اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی تو آیا تھا!''

﴿فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ۳۷﴾ ''تو اب چکھو (مزہ اس عذاب کا اور یاد رکھو کہ) ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔''

آیات ۳۸ تا ۴۵

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۳۸ هُوَ
الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِی الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا یَزِیْدُ
الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا
خَسَارًا ۳۹ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِیْ
مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ
عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۴۰ اِنَّ اللّٰهَ
یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ
مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۴۱ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ
جَاۗءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ نَذِیْرٌ مَّا

زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿٤٢﴾ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ
السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ
دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

آیت ۳۸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ’’یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کا۔‘‘

﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٣٨﴾﴾ ’’یقیناً وہ واقف ہے سینوں میں چھپے رازوں سے۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ’’وہی تو ہے جس نے تمہیں جانشین بنایا زمین میں۔‘‘

﴿فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ﴾ ’’تو جس کسی نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہوگا۔‘‘

﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ﴾ ’’اور کافروں کے لیے ان کا کفران کے رب کے نزدیک سوائے غضب کے کسی چیز میں اضافہ نہیں کرے گا۔‘‘

﴿وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾﴾ ’’اور کافروں کے لیے ان کا کفر سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں بڑھائے گا۔‘‘

ان کے کفر کے سبب ان کے خلاف اللہ کے غصے اور اس کی بے زاری میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ اس طرح ان کی تباہی اور بربادی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

آیت ۴۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’آپ کہیے کہ کیا تم نے اپنے ان شریکوں کے بارے میں کبھی غور کیا جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟‘‘

﴿اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ﴾ ’’ذرا مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا ان کی کوئی شراکت ہے آسمانوں میں!‘‘

﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ﴾ ’’یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی تھی اور وہ اس کی کسی واضح دلیل پر ہیں!‘‘

کیا ان کے پاس ہماری نازل کردہ کوئی کتاب موجود ہے جس کی کسی واضح دلیل کی بنیاد پر انہوں نے اپنے اعتقادات اخذ کیے ہیں؟

﴿بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾﴾ ’’بلکہ یہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کو وعدے نہیں دے رہے مگر فریب کے۔‘‘

یہ ظالم ایک دوسرے سے محض پُرفریب وعدے کر رہے ہیں۔

آیت ۴۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ﴾ ’’یقیناً اللہ ہی تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ وہ (اپنے راستے سے) ہٹ نہ جائیں۔‘‘

﴿وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ﴾ ’’اور اگر وہ ہٹ جائیں تو کوئی نہیں جو ان کو تھام سکے اس کے بعد!‘‘

﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾﴾ ’’یقیناً وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی لوگوں کی غلطیوں پر فوراً پکڑ نہیں کرتا اور انہیں مہلت دیے جاتا ہے۔

آیت ۴۲ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ﴾ ’’اور انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی خبردار کرنے والا آیا تو وہ لازماً ہدایت یافتہ ہو جائیں گے کسی بھی اُمت سے بڑھ کر۔‘‘

﴿فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿٤٢﴾﴾ ’’پھر جب آ گئے ان کے پاس خبردار کرنے والے (محمد ﷺ) تو اس چیز نے ان کے اندر (حق سے) فرار کے سوا کوئی

اضافہ نہیں کیا۔‘‘

جب محمد عربی ﷺ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے انہیں دعوت دینا شروع کی تو وہ آپؐ کی دعوت سے بدکنے اور دُور بھاگنے لگے۔

آیت ۴۳ ﴿اِۨ اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیٴِ ؕ﴾ ’’زمین میں تکبر کرتے ہوئے اور بُری چالیں چلتے ہوئے۔‘‘

انہوں نے حضور ﷺ کے خلاف متکبرانہ رویہ بھی اختیار کیا اور آپؐ کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے طرح طرح کی سازشیں بھی کیں۔

﴿وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیٴُ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ؕ﴾ ’’اور بُری چال کا وبال نہیں پڑتا مگر اس کے چلنے والے پر ہی۔‘‘

﴿فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ﴾ ’’تو وہ کس چیز کے انتظار میں ہیں سوائے پہلے والوں کے انجام کے!‘‘

’’سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ‘‘ سے مراد وہ طریقہ ہے جس کے مطابق پچھلی نافرمان قومیں ہلاک ہوئیں۔ گویا اب یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ قانونِ خداوندی کا انطباق جس طرح پچھلی اقوام پر ہوا تھا اسی طرح اب ان پر بھی ہو اور جس طرح ماضی میں نافرمان اقوام کو ہلاک کیا جاتا رہا اسی طرح انہیں بھی ہلاک کر دیا جائے۔

﴿فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾﴾ ’’تو تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی‘ اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اللہ کے قانون کو رخ پھیرتے ہوئے۔‘‘

تبدیل اور تحویل دو الگ الگ لیکن قریب المعانی الفاظ ہیں۔ تبدیل یا تبدیلی کا مفہوم تو عام فہم ہے‘ جبکہ تحویل کے معنی رخ پھیرنے یا سمت بدلنے کے ہیں۔ آیت زیر مطالعہ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا قانون کسی کے لیے اپنا رخ نہیں بدلتا اور اگر کوئی شخص یا کوئی قوم اللہ کے قانون کی زد میں آنے والی ہو تو اس قانون کے رخ کو کسی طور سے پھیرا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اگر یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں تو اللہ کا قانون بھی بدلنے والا نہیں۔ ان سے پہلے کی قومیں اگر ایسی روش کو اپنا کر نشانِ عبرت بنتی رہی ہیں تو یہ لوگ بھی سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

آیت ۴۴ ﴿اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ﴾ ’’کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں‘ پس یہ دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے‘‘

﴿وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ﴾ ’’حالانکہ وہ طاقت میں اُن سے کہیں بڑھ کر تھے!‘‘

﴿وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’اور اللہ کی شان ایسی نہیں کہ اسے کوئی بھی چیز آسمانوں میں یا زمین میں عاجز کر سکے۔‘‘

﴿اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾﴾ ’’یقیناً وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا‘ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آیت ۴۵ ﴿وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ﴾ ’’اور اگر اللہ (فوری) گرفت کرتا لوگوں کی ان کے اعمال کے سبب تو اس (زمین) کی پشت پر کوئی جاندار بھی باقی نہ چھوڑتا‘‘

﴿وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ﴾ ’’لیکن وہ مؤخر کرتا رہتا ہے ان کو ایک وقت مقرر تک۔‘‘

اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہی ہے کہ وہ کسی مجرم یا نافرمان کی فوری طور پر پکڑ کرنے کے بجائے اسے ایک طے شدہ وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ﴿۴۵﴾﴾ ’’پھر جب ان کا وقتِ معیّن آ جائے گا تو اللہ یقیناً اپنے بندوں کے حالات کو خود دیکھنے والا ہے۔‘‘

اللہ کی مشیت کے مطابق طے شدہ وقت پر جب بھی کسی مجرم کی گرفت ہو گی تو اسے اپنے ایک ایک جرم کا حساب دینا پڑے گا‘ کیونکہ ان کا کوئی معاملہ بھی اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۞۞۞

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۷)

عقل، فطرت اور ایمان

سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی روشنی میں

شجاع الدین شیخ ☆

آج ہم سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی روشنی میں ’’عقل، فطرت اور ایمان‘‘ کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ ان آیات کے بارے میں تفسیر ابن کثیرؒ کی بیان کردہ روایت ہے کہ ان کے نزول پر حضور اکرم ﷺ ساری رات روتے رہے۔ صبح حضرت بلال ؓ جب نمازِ فجر کی اطلاع دینے کے لیے آئے اور آپؐ کو اس کیفیت میں دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اے بلال! میں کیوں نہ روؤں کہ آج کی شب میرے ربّ نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں‘‘۔ پھر آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

تمہیدی کلمات

قرآن مجید صرف پڑھی جانے والی کتاب نہیں بلکہ قرآن بار بار یہ کہتا ہے کہ اس پر غور وفکر کرو اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرو تا کہ اس پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آج کے درس میں حصولِ ایمانِ حقیقی اور اس کے خارجی مظہر کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ان آیات میں ایمان باللہ کے حصول کے لیے آیاتِ آفاقی اور انفسی یعنی کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں اور انسان کے اپنے باطن میں موجود نشانیوں پر غور کرنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی ضمن میں ایمان بالآخرت پر بھی بات ہو گی یعنی اس حقیقت کا ادراک کہ نیکی اور بدی کا نتیجہ ایک دن

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت، تنظیم اسلامی

ضرور نکلے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ نیکی کا اچھا بدلہ ملے اور بدی کی سزا ملے تو آج ہم اس احساس کی موجودگی کو بھی سمجھیں گے اور اس کا نتیجہ آخرت میں ہمارے سامنے آئے گا۔ پھر ایمان بالرسالت کا بھی تذکرہ آئے گا بایں طور کہ رسولوں کی دعوت پر لبیک کہنے سے ہی ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ جب ایک سلیم الفطرت انسان کے سامنے کسی نبی کی پکار آتی ہے تو وہ فوراً اس کو قبول کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

آج کے درس کی آخری بات ایمانِ حقیقی کے خارجی مظہر سے متعلق ہے جو غلبہ دین کے لیے جِدّوجُہد، ہجرت، جہاد اور تکالیف پر صبر کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ہم سب الحمدللہ مسلمان ہیں اور اسلام ہمیں پیدائشی طور پر مل گیا ہے، لیکن شعوری طور پر اسلام قبول کرنا الگ شے ہے۔ بندے کو شعوری طور پر اسلام قبول کر کے اس میں اضافے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ایمان حقیقی کے شعوری پہلو کا تذکرہ ہے۔ شعوری یعنی اکتسابی ایمان مجموعہ ہے آیاتِ آفاقی اور اَنفسی پر غور کے نتیجے میں ایمانِ عقلی اور نبی کی دعوت پر لبیک کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ایمانِ سمعی کا۔ واضح رہے کہ یہاں بات موروثی ایمان کی نہیں بلکہ شعوری ایمان کی ہے۔ شعوری ایمان آیات آفاقی اور انفسی پر غور کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے، لیکن اس ایمان کی تفصیلات عقل نہیں بتاتی بلکہ یہ نبی کی دعوت پر لبیک کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ ایمانیات کے بیان پر یہ بہت گہرے، اہم اور قیمتی مضامین ہیں جو آج ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔

زیرِ درس آیات کا مختصر تجزیہ

آیئے اب ہم آیات زیر درس کے مضامین کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۰ میں توحید باری تعالیٰ یعنی کائنات پر غور وفکر سے فطرت میں ودیعت شدہ حقائق کی شعوری سطح پر آگہی اور ایمان باللہ تک رسائی ملتی ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ جب اس کائنات پر غور وفکر کیا جائے تو ہمارے اندر موجود اللہ ربّ العزت کا تعارف accelerate ہو جاتا ہے اور شعور کی سطح پر ہمیں ایمان میسر آتا ہے۔ آیات ۱۹۱، ۱۹۲ میں ایمان بالآخرت (یعنی توحید سے آخرت تک کا عقلی سفر) حاصل ہوتا ہے۔ جب بندہ اللہ پر ایمان لاتا ہے تو یہی ایمان اسے ایمان بالآخرت تک لے جاتا ہے۔ آیات ۱۹۳ اور ۱۹۴ ایمان بالرسالت یعنی نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے اور جامع دعاؤں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے

نتیجے میں تفصیلات عقل نہیں بتا سکتی بلکہ جب پیغمبر کی بات کانوں میں پڑے گی اور اندر سے یہ گواہی آئے گی کہ یہ وہی بات ہے جو میں سوچ رہا تھا تو ایمان شعوری سطح پر مکمل ہوگا۔ آیت ۱۹۵ میں ایمانِ حقیقی کا خارجی رخ نظر آتا ہے۔ یعنی جب ایمانِ حقیقی شعوری سطح پر آجائے گا تو اس کا اظہار عمل کی شکل میں نظر آئے گا جس میں ہجرت، جہاد اور اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جدوجہد شامل ہے۔

اولوالالباب اور معرفتِ الٰہی

اب ہم ایک ایک آیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ آیت ۱۹۰ میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ ''بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے فرق اور ان کے بدلنے میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں''۔ نشانی اس شے کو کہتے ہیں کہ جسے دیکھ کر ذہن کسی دوسری شے کی طرف منتقل ہو جائے۔ نشانی ہمارے علم میں اضافہ نہیں کرتی بلکہ ایسی بات جو ہم پہلے سے جانتے تھے اور کسی وجہ سے ہمارے ذہنوں سے محو ہو چکی تھی، نشانی دیکھ کر وہ یاد آ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے کسی دوست نے کبھی آپ کو ایک قلم بطور تحفہ دیا تھا اور وہ شہر سے باہر چلا گیا تھا جس کی وجہ سے آپ اسے بھول چکے تھے۔ جیسے ہی وہ قلم آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کو اپنا وہ دوست یاد آ جائے گا۔

دوسری اصطلاح یہاں ''اُولِی الۡاَلۡبَاب'' آئی ہے۔ اَلۡبَاب، لُبّ کی جمع ہے جس کے معنی کسی شے کا خلاصہ یا مغز ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی عقل سلیم کے ہیں۔ ہم اردو میں لُبِّ لُباب کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں یعنی کسی چیز پر غور کر کے آخری نتیجہ پر پہنچا جائے۔ چنانچہ ''اولوالالباب'' کے معنی عقل سلیم رکھنے والے ہیں، یعنی وہ لوگ جن کی فطرت مسخ نہیں ہوئی، بلکہ سلامت ہے۔ ایسے لوگ کائنات پر غور و فکر کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں۔ عقل سلیم رکھنے والوں کے بارے میں سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا: ﴿یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾﴾ ''وہ (اللہ) جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے، اور جسے حکمت مل گئی تو اس نے بہت بڑی بھلائی پالی، اور نصیحت تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو دانش مند ہیں''۔ قرآن کریم میں یہ الفاظ

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے لیے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی یہ نعمت عطا فرمائے۔

معرفتِ الٰہی انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ فطرت پر بھول، غفلت یا ماحول کے اثرات کی وجہ سے پردے پڑ جاتے ہیں۔ آیاتِ آفاقی، آیاتِ اَنفسی اور آیاتِ قرآنی پر غور و فکر ان پردوں کو اٹھاتا ہے۔ اس عمل کو تذکیر یعنی یاددہانی کہتے ہیں۔ سورۃ الذّاریات میں ارشاد ہوا: ﴿وَفِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہاری ذات میں (بھی)۔ تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟'' انسان جب مختلف مظاہر فطرت پر غور کرتا ہے تو ان کی تاثیر اور ان میں باہمی ربط اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ یہ سب مظاہر نہ صرف کسی ایک عظیم خالق کی مخلوق ہیں بلکہ اسی کی تدبیر سے کمال ہم آہنگی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ گویا آیاتِ آفاقی پر غور و فکر کا حاصل معرفتِ الٰہی ہے۔

ذکر و فکر اور ان کا باہمی تعلق

سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹۱، ۱۹۲ میں ارشاد ہوا:

﴿الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَہٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۱۹۲﴾﴾

''جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے پس بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے۔ اے ہمارے رب! جس کو تو نے آگ میں ڈالا اس کو تو رسوا کر دیا۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔''

ان آیات کے حوالے سے سب سے پہلے لفظ ''ذکر'' کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دل میں اللہ کو حاضر رکھنا ذکر ہے۔ ہم زبان سے بھی ذکر کرتے ہیں اور ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں وہ بھی اللہ کا ذکر ہی ہوتا ہے۔ مگر بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ دل میں اللہ کی یاد ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر جسم کے تمام اعضاء اللہ کا ذکر کریں گے۔ کائنات کی تخلیق اور روز و شب کے نظام پر غور کے ذریعے معرفتِ رب کے حصول سے اس کائنات کی اُلجھی ہوئی ڈور کا سرا اولوالالباب کے ہاتھ

آ جاتا ہے۔ اب وہ ہر حال میں اللہ کا ذکر کر کے اس ڈور کے سرے کو تھامے رہتے ہیں تاکہ کائنات کی بقیہ گتھیوں کو بھی سلجھا سکیں۔

دوسری اصطلاح یہاں ’’فکر‘‘ آئی ہے۔ دو چیزوں کو سامنے رکھ کر تیسری چیز کو پہنچاننے کا عمل فکر کہلاتا ہے۔ ذکر و فکر سلوکِ قرآنی کے دو اجزاء ہیں۔ سالک راستے پر چلنے والے کو کہتے ہیں اور سلوک راستے کو۔ ذکر و فکر دونوں ساتھ ساتھ چلیں گے‘ ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا اور ذکر و فکر کے بغیر انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل کے حل تک رسائی ممکن نہیں۔ ذکر کے بغیر انسان جب بھی غور و فکر کرے گا تو وہ ذہنی انتشار سے دوچار ہوگا۔ اس لیے کہ انسان میں یہ جستجو ہوتی ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ میں کون ہوں؟ میری حقیقت کیا ہے؟ اگر کوئی خالق ہے تو وہ کون ہے؟ مجھے کیوں پیدا کیا گیا؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ وہ پیچیدہ مسائل ہیں جن کا حل انسان کو ایمان کے ملنے کے بعد نظر آ جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

فقرِ قرآن اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر!

قرآن کا فقر کیا ہے؟ وہ ہمیں کس راہ پر ڈالنا چاہتا ہے؟ وہ ذکر اور فکر کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ تمہارا فکر کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ ذکر کو شامل نہ کرو۔ ذکر و فکر کے نتیجے میں کائنات کی ہر چیز کی تخلیق با مقصد نظر آتی ہے۔ نیکی اور بدی کے داخلی شعور کے با مقصد ہونے کا تقاضا مکافاتِ عمل ہے۔ سورۃ المؤمنون میں ارشاد ہوا: ﴿اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ’’کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں (یوں ہی) بے مقصد پیدا کیا تھا اور یہ کہ تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا نہیں ہے۔‘‘

زیر درس آیت (آل عمران: ۱۹۲) میں ارشاد ہوا کہ اصل رسوائی تو قیامت کی رسوائی ہے جس دن ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ درحقیقت یہ عقیدۂ توحید سے عقیدۂ آخرت تک کا عقلی سفر ہے اور یہ انسان غور و فکر سے پہچان سکتا ہے کہ اس عالَم کا چلانے والا ضرور کوئی ہے اور کوئی عالَم ایسا ضرور برپا ہونا چاہیے جہاں نیکی کی بھرپور جزا اور بدی کی سزا ہو‘ اور کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہو۔

شعوری حقیقی ایمان اور آدابِ دعا

آیات ۱۹۳‘ ۱۹۴ میں ارشاد ہوا:

﴿رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیۡ لِلۡاِیۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ فَاٰمَنَّا ٭ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَ لَا تُخۡزِنَا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾

’’اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے لیے پکار رہا تھا کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرما اور ہمیں دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اُٹھانا۔ اے ہمارے رب! ہمیں عطا فرما وہ سب جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا اپنے پیغمبروں کے ذریعے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ بیشک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔‘‘

اب ہم ایمانِ سمعی کے بیان کی طرف چلتے ہیں۔ ایمانِ عقلی اور ایمانِ سمعی کے جمع ہونے پر شعوری حقیقی ایمان مکمل ہوتا ہے۔ اولوالالباب نبی کی دعوت کو اپنے جذبات کی ترجمانی سمجھتے ہیں اور اس پر فوراً لبیک کہتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کے سامنے میں نے اللہ کی دعوت پیش کی‘ اس نے کچھ وقت تو لیا سوائے ابوبکر صدیقؓ کے جنہوں نے اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا۔ صدیقین کے اندر پیدا ہونے والے ایمان افروز احساسات کا دعائیہ الفاظ میں اظہار ان آیات میں سامنے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں ان دعائیہ کلمات کو شامل کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دعائیں فقط پڑھتے ہیں جبکہ دعائیں مانگی جانی چاہئیں۔ جب ہم دعا کریں تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کیا دعا مانگ رہے ہیں۔ خصوصاً جب ہم قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں سکھائی گئی دعاؤں کا اہتمام کریں تو ہمارے ذہن میں ان کا ترجمہ بھی ہونا چاہیے۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے!

آیت ۱۹۵ میں ارشاد ہوا:

﴿فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِيۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾﴾

’’پس قبول کرلیا ان کے رب نے ان کی دعا کو (اور فرمایا) میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا‘ خواہ وہ مرد ہو یا عورت‘ تم دونوں ایک دوسرے کی جنس میں سے ہو۔ تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کیے گئے‘ میں ضرور ان سے ان کے گناہ دُور کردوں گا اور ان کو ضرور داخل کروں گا ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ بدلہ ہے اللہ کے پاس سے‘ اور اللہ کے پاس بہترین بدلہ ہے۔‘‘

زیرِ مطالعہ آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اولوا الالباب کا شعوری ایمان دعا و مناجات سے آگے بڑھ کر زندگی کا ایک متحرک نظریہ بن جاتا ہے۔ گویا ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

پھر اس آیت میں جو کہا گیا کہ تم دونوں یعنی مرد و عورت ایک دوسرے کی جنس سے ہو‘ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ مرد کی طرح عورت کا بھی ایک جداگانہ اور آزاد اخلاقی تشخص ہے۔ دنیا میں نظام چلانے کے لیے گھر کا سربراہ مرد کو بنایا گیا ہے‘ لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کا میدان دونوں کے لیے کھلا ہوا ہے۔ کوئی عورت اپنے شوہر سے زیادہ نیک اور پارسا ہوسکتی ہے جس کے نتیجے میں اسے جنت کے بلند درجات حاصل ہو جائیں۔

ہجرت کا مفہوم

یہاں لفظ ’’ہجرت‘‘ اپنے وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ ایک ہے گھر سے نکال کر ہجرت پر مجبور کیا جانا‘ جیسے دورِ نبوی ﷺ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت ہوئی‘ لیکن

ہجرت کا وسیع تر مفہوم ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ایک فرمان سے ملتا ہے۔ سنن نسائی کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ؟ ’’اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟‘‘ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ((اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ))(۱) ’’تم ہر اس عمل کو چھوڑ دو جو تمہارے رب کو ناپسند ہے۔‘‘

اسی طرح سنن ترمذی میں موجود حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ‘ اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ: بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))(۲)

’’میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے: جماعت اختیار کرو‘ سنو‘ اطاعت کرو‘ ہجرت کرو‘ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔‘‘

ہر قربانی کے ذریعے عملی ثبوت دینے والوں سے اللہ رب العزت نے بخشش اور اجر و ثواب کے انتہائی پختہ وعدے فرمائے ہیں‘ لہٰذا ہمیں بھی اللہ کے دین کے لیے بہترین صلاحیتیں لگانی چاہئیں‘ اس لیے کہ وہ بہترین قدر دان اور اعلیٰ ترین بدلہ دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

---

(۱) سنن النسائی‘ کتاب البیعۃ‘ باب ھجرۃ البادی۔ عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ عنھما۔

(۲) سنن الترمذی‘ ابواب الامثال‘ باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ۔ ومسند احمد ۴/۱۳۰۔

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں
اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبوی طریق پر مشتمل
خلافت کی حقیقت
اور عصر حاضر میں اس کا نظام
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

ابراہیمی تربیتی نصاب اور اس کے ثمرات

محمد رشید عمر☆

’’اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ‘‘ ہستی نے انسان اور جنوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا۔ انسان میں تخلیقی طور پر بہت ساری کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنا مقصدِ تخلیق پورا کرنے کی بجائے بھٹک جاتا ہے‘ لیکن خالق نے انسان کو بھٹکنے کے لیے بے سہارا نہیں چھوڑا بلکہ اس کے لیے ایک تعلیمی اور تربیتی نصاب منظور فرمایا جس پر عمل پیرا ہو کر انسان تخلیقی کمزوریوں پر قابو پا کر نہ صرف اپنے خالق کی منشا کے مطابق جہاں گیری اور جہاں بانی کا حق ادا کر سکتا ہے بلکہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے جو خالق و مالک کی صفات کا انعکاس ہو۔

یہ وہ تربیتی و تعلیمی نصاب ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑھاپے کی عمر میں جبکہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے مل کر بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے‘ اللہ کے حضور دعا کی شکل میں پیش کیا:

﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾﴾ (البقرۃ)

’’اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں اٹھائیو ایک رسول خود ان ہی میں سے جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے۔ یقیناً تو ہی زبردست اور کمال حکمت والا ہے۔‘‘

یہ چار نکاتی نصابِ تعلیم و تربیت ان کے عمر بھر کے غور و فکر کا نتیجہ تھا‘ وہ عمر جو انہوں نے انسانوں کو ہدایت کی طرف بلانے میں اور فرائض نبوت کی ادائیگی میں گزاری تھی۔ اس نصاب کو باری تعالیٰ نے من و عن قبول فرما لیا‘ صرف ترتیب کی ایک تبدیلی کے ساتھ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تجویز میں ترتیب یہ تھی: تلاوتِ آیات‘ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ‘ جبکہ منظور شدہ ترتیب یہ ہے: تلاوت آیات‘ تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تجویز

☆ ناظم منفرد رفقاء‘ حلقہ فیصل آباد

میں ترتیب ان کے اپنے ظروف و احوال کی بنیاد پر تھی‘ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق جو اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شمار ہونے والی تھی‘ اس کو سامنے رکھ کر منظور فرمایا‘ جس میں تزکیہ کو تعلیم کتاب و حکمت سے پہلے رکھا‘ تاکہ انسانوں کے قلوب پاک صاف ہو کر احکامِ الٰہیہ پر عمل اور حکمت کے حصول کے لیے تیار ہو جائیں۔ تزکیہ نفس کے بغیر احکامات کی تنفیذ میں جو مشکلات آتی ہیں‘ تاریخ انسانی میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لمبی عمر فرائض نبوت کی ادائیگی میں گزاری۔ ان کی دعوت کا میدان ان کے آبائی علاقے عراق سے شام‘ اردن‘ فلسطین‘ مصر اور سعودی عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ نسل انسانی کے مختلف افراد اور طبقات سے ان کو واسطہ پڑا تھا‘ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت کے ساتھ ساتھ غیر معمولی فہم و فراست سے نوازا تھا جس سے انہیں ان انسانی مسائل کا گہرا ادراک حاصل ہوا جو قبولیت حق میں رکاوٹ بنتے ہیں اور لوگ بندگی رب کا حق ادا کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

پہلا مسئلہ انسان کا یہ ہے کہ انسان ان حقائق کا علمی احاطہ نہیں کر پاتا جو زبانِ وحی سے اس کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں۔ انسان کے پاس جو علم کے ذرائع ہیں وہ مابعد الطبیعیات کے امور کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ سب وہ امور ہیں جو ایمان بالغیب کے موضوعات ہیں‘ جیسے ایمان باللہ‘ ایمان بالآخرۃ‘ حساب و کتاب‘ جزا و سزا اور کائنات کے انتظام و انصرام کا غیبی نظام۔ اگرچہ ان سب کو ماننے کے محکم دلائل انسان کے آگے پیچھے‘ دائیں بائیں‘ اوپر نیچے کھلی آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں‘ لیکن ان کا علمی احاطہ نہ کر سکنے کی وجہ سے انسان شکوک و شبہات میں پڑ جاتا ہے اور پھر کفر کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ حقائق مزید پیچھا کرتے ہیں تو پھر آباء پرستی اور شفاعت باطلہ کا سہارا لیتا ہے‘ لیکن شہنشاہ کائنات زبردست اور حکیم بھی ہے۔ وہ اپنے برگزیدہ بندے کی زبان سے اپنے فرمان اس طرح جاری فرماتا ہے کہ شکوک و شبہات کا پردہ چاک ہو جاتا ہے‘ کفر و شرک کے عقائد ٹوٹ پھوٹ کر ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور آباء پرستی اور شفاعت باطلہ جیسے عقائد بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اگر انسان کی بدبختی اس پر سوار نہ ہو تو آیاتِ الٰہیہ کے سامنے انسان سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اعصاب بے بس اور دل ایسے نرم ہوتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں اور انسان ﴿تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ﴾ (المائدۃ:۸۳) ’’تم دیکھتے ہو کہ حق کی جو پہچان انہیں حاصل ہوئی اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں‘‘ —— کی تصویر بن جاتا ہے۔

قرآن پاک کی آیات ایک غافل انسان کے لیے موعظت ثابت ہوتی ہیں جو کہ اس تربیتی نصاب کے پہلے نکتے کا ثمر ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۵۷﴾

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک ایسی چیز آ چکی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے۔''

دوسرا مسئلہ جو انسان کے لیے حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے وہ ہیں قلبی امراض۔ جن میں حُبِّ دنیا، شہواتِ نفس، حسد، بغض، تعصب، نفاق، قساوتِ قلبی جیسے امراض کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان امراض کی ہلاکت خیزی واضح کی ہے بلکہ ان کے علاج کے بھی شافی نسخے تعلیم فرمائے ہیں، جس کا نتیجہ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

ابراہیمی نصاب کا تیسرا نکتہ تعلیم کتاب ہے۔ انسانی کمزوری یہ ہے کہ وہ خود سے یہ نہیں جان سکتا ہے کہ اس کے خالق کے اس پر کیا حقوق ہیں اور اس کی مخلوق کے حقوق کیا ہیں، ان کی کمیت، کیفیت اور ان کی ادائیگی کے اوقات کیا ہیں۔ اس کے لیے وہ تعلیم کتاب کا محتاج ہے۔ وہ تمام امور جن کو کتب احادیث میں کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الجہاد والقتال وغیرہ کے عنوانات سے بیان کیا جاتا ہے، شارح وحی کی زبان میں ان کی تفاصیل سکھائی گئی ہیں۔ ان پر عمل کر کے انسان ہدایت پالیتا ہے جو کہ تعلیم کتاب کا ثمر ہے۔

جس انسان پر آیاتِ الٰہیہ پڑھی جائیں، اس کا تزکیہ کیا جائے اور اسے ہدایت کے زیور سے آراستہ کیا جائے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اس قابل ہو جائے کہ وہ خود سے مضامین رسالت تک رسائی پالے؟ اس کو سمجھنے کے لیے سورۃ البقرہ کی آیات ۲۶۱ تا ۲۷۴ پر غور فرمائیں تو وہ صرف ایک مضمون ہے، جو انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد وثمرات، ان کو ضائع کرنے والے عوامل اور اس کے مصارف کے بیان پر مشتمل ہے۔ تقریباً درمیان میں یہ آیہ مبارکہ ہے:

﴿یُّؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا ؕ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۶۹﴾ (البقرۃ)

''وہ جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے، اور جس کو حکمت ملی اس کو تو خیر کثیر مل گئی، اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔''

اگر کسی انسان کو یہ راز سمجھ آ جائے کہ انفاق فی سبیل اللہ ایسا عمل ہے جس سے معاشرتی استحکام اور اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے تو اس راز کا منکشف ہو جانا حکمت کا حاصل ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۳۹ میں بعض امور کا ذکر فرمایا گیا ہے، جن کے اختتام پر فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ﴾ ''یہ تمہارے ربّ کی طرف سے حکمت میں سے وحی کیا گیا ہے۔''

یہ سب امور جو گویا تورات کے احکام عشرہ کا خلاصہ اور اسلام کے معاشرتی اور سماجی نظام پر مشتمل ہیں، ان میں پہلا اور چوٹی کا حکم عبادتِ ربّ ہے، پھر والدین کے حقوق، پھر دیگر حقوق العباد، پھر تبذیر کی ممانعت وشناعت، پھر قتل اولاد کی ممانعت، پھر زنا کے مکمل سدِباب کا حکم، پھر قتل ناحق کی ممانعت، پھر مالِ یتیم کے بارے میں احتیاط کا حکم، پھر توہمات کی روک تھام، پھر تمکنت اور تکبر کی ممانعت۔ ان سب پر غور فرمایئے کہ ان سب امور کا باطنی پہلو ان کے ظاہر پر غالب نظر آئے گا اور یہی ان کا حسن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایسے امور ہیں جن کا چھپا پہلو انسانی قلب پر کندہ ہو جائے تو ان تعلیمات کا حسن معاشرے کو چمکا دیتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جس کو حکمت مل جاتی ہے اس کے دل پر ان امور کا القاء ہو سکتا ہے۔ اس کا دل ان علوم کا منبع اور سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع ہے جس میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتیں نقل کی گئی ہیں۔ حضرت لقمان کے متعلق یہ بات مفسرین کے نزدیک طے ہے کہ وہ نہ نبی تھے نہ رسول، لیکن انہیں حکمت عطا کی گئی تھی، جس کے نتیجے میں ان کی رسائی مضامین رسالت تک ہو گئی، ان کا سینہ ''کوکب دُرّی'' بن گیا۔ مضامین رسالت آیاتِ الٰہیہ ہیں اور یہ مادی کائنات اللہ تعالیٰ کی آیات خلقیہ ہیں۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ مضامین رسالت کی آیات کی سمجھ دے دیتا ہے تو اس بندے کے لیے آیاتِ تخلیقیہ کے اسرار ورموز کو جاننا بلکہ ان سے کام لینا بھی آسان کر دیتا ہے، یا آیاتِ تخلیقیہ خالق کے اذن سے اس بندے کے سامنے مسخر ہو جاتی ہیں۔

اس بات کو مربّی اعظم حضرت محمد ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہؓ میں سے حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت سے دو اور دو چار کی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تاثیر

تربیت سے ان کا سینہ حکمت سے معمور ہو گیا تو پھر کتنے ہی معاملات ہیں جن کے بارے میں انہوں نے نشان دہی کی اور وحی الٰہی نے اس کی تصدیق کی۔ خشک دریائے نیل کو انہوں نے خط لکھا تو اللہ رب العزت کے اذن سے ایسا جاری ہوا کہ صدیاں گزر گئیں آج تک خشک نہیں ہوا۔ منبرِ رسولؐ سے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے‘ ہزاروں میل دور میدانِ جنگ میں اسلامی لشکر کو انہوں نے ہدایات دیں‘ جن کو سن کر سالارِ لشکر نے اس پر عمل کیا اور فتح یاب ہوئے۔ یہ ربط ہے حکمت اور تسخیر کائنات میں‘ جس کو سورۂ لقمان میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر غور فرمایئے‘ سورۂ لقمان میں جہاں حکمت کے مضامین کی آخری شق ختم ہوتی ہے‘ اس سے متصل اگلی آیت مبارکہ میں فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ﴾ (آیت۲۰)

’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں!‘‘

گویا جن کو حکمت کا عطیہ ملتا ہے‘ ان کے لیے مادی قوتوں کے اَسرار و رموز تک رسائی اور کام لینا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ایک طرف ہدایت ان کے دل کی آواز تو دوسری طرف مادی قوتوں کے راز ان کے خادم بن جاتے ہیں۔ اس حکمت کے نتیجے میں انسان اللہ کی رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں جس پر اس کی رحمت کا سایہ نہ ہو۔ گویا حکمت کے ذریعے انسان کائنات کی ہر چیز سے رحمت کا حصہ کشید کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت مستور کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ بنیادی مضامین ہدایت بدیہیاتِ فطرت میں گوندھ کر انسان میں رکھ دیے گئے ہیں۔ اگر کوئی خارجی قوت اس کو بھٹکا نہ دے تو عمر اور تجربہ کے ساتھ بدیہیاتِ فطرت اس کو راہِ راست پر ڈال سکتے ہیں‘ جیسے فرمان رسول ﷺ نے یوں واضح فرمایا:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ)) (متفق علیہ)

’’ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے‘ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔‘‘

اسی طرح بفحوائے ﴿عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ (البقرۃ:۳۱) انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے

اکتسابی علم (Acquired Knowledge) بالقوۃ رکھ دیا ہے۔ انسانی عمر اور تجربہ اس کو منظر پر لانے کا ذریعہ بنتا ہے اور نت نئی اختراعات بھی اسی کا ظہور ہے۔ جس طرح ہدایت کی تکمیل اُمت مسلمہ پر کی گئی ہے اسی طرح ’’علم الاسماء‘‘ کے انکشافات کی معراج تک پہنچنا بھی صرف اور صرف اہل ایمان کا حق ہے۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں بردار بندوں کے قبضہ میں دینے کے لیے پیدا فرمائی ہے تاکہ وہ اسے اس کی منشا کے مطابق جنت ارضی بنائیں۔ اپنے نافرمان بندوں کے لیے نہیں بنائی کہ وہ اسے شیطانی جنت بنا کر شیطان کو اپنا چیلنج سچ کر دکھانے کا موقع دیں۔

اس سارے تربیتی نصاب کا نچوڑ ایک لفظ سے بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے ’’مسلم‘‘۔ یہ وہ صفت ہے جس کے اعتبار سے چوٹی کی شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام خود ہیں: ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱﴾ (البقرۃ) ’’جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا: فرمانبردار ہو جا‘ انہوں نے کہا: میں نے ربّ العالمین کی فرمانبرداری کی‘‘۔ تسلیم و رضا کے وہ اس مقام پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنا لیا۔ دنیا میں بہت سارے کاموں مثلاً تعمیر بیت اللہ‘ بنی نوع انسان کی ہدایت اور اپنے آخری رسول ﷺ کی امت کے لیے تربیتی نصاب کی تیاری کا کام ان سے لیا۔ اور انہوں نے امت محمد ﷺ کا نام ’’مُسْلِمُوْن‘‘ رکھ کر اس بات کی نشان دہی کر دی کہ قیامت تک کے خدائی منصوبوں کی تکمیل امت مسلمہ کے ہاتھوں سے ہو گی‘ شرط یہ ہے کہ اس نصاب پر عمل کر کے اپنے سچے ہونے اور اہل تقویٰ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سینے ہدایت کے لیے اور ان کے عمل کے ذریعے دین اسلام کے غلبے کے راستے کھول دے گا: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲﴾ (الطلاق) ’’اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا‘ اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ پیدا کر دے گا‘‘۔ ان کے ہاتھوں ایسا معاشرہ ترتیب پائے گا جس میں اللہ کی کبریائی ظاہر و باہر ہو گی۔ وہ شرم و حیا اور پاکیزگی کا نمونہ ہو گا اور حکمت و دانش کے اس مقام پر ہو گا کہ دنیا کی قیادت ان کے ہاتھوں میں ہو گی۔

اس تعلیمی اور تربیتی نصاب پر عمل کر کے عقلیت پسندوں اور سیکولرسٹوں کی ساری محنت پر پانی پھیرا جا سکتا ہے۔ عقلیت پسندوں کی قوت متاثرہ کا دار و مدار صرف اختراعات (ایجادات) پر ہے۔ جہاں تک ان کے معاون فلسفی حضرات (مارکس‘ کانٹ‘ ڈارون اور فرائیڈ وغیرہم)

کے فلسفیانہ نظریات کا تعلق ہے‘ ان کی پذیرائی حقیقت میں تحریف ہو جانے کی دلیل ہے۔ ان کے پاس حقیقت تورات اور انجیل کی شکل میں تھی‘ جن میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت‘ نور اور حکمت رکھی تھی‘ انہیں فرقان بنایا تھا۔ اگر یہ اپنی اصلی حالت میں ہوتیں تو ان فلسفیوں کے بے ہودہ نظریات کو ان کی کسوٹی پر رد کر دیا جاتا‘ جیسے قرآن وحدیث کے اپنی اصل شکل میں ہونے کی وجہ سے عالمِ اسلام میں ان کو پس پشت ڈال کر کوئی نیا نظریہ پذیرائی حاصل نہیں کر سکا۔ اگرچہ بہت ساری کوششیں ہو چکیں اور شاید آئندہ بھی ہوں گی‘ لیکن حقیقت کی کسوٹی (فرقان) کی موجودگی میں نہ تو خارج سے کوئی نظریہ مسلمانوں میں جڑ پکڑ سکتا ہے نہ مسلمانوں کے اندرون سے کوئی الحادی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے۔ البتہ ان کے اضمحلال کی دو وجوہات ہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ ﴿۱۴﴾﴾ (الشوریٰ)

(۱) وارثانِ کتاب‘ کتاب کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہیں۔

(۲) عقل کی بنیاد پر اختراعات نے مسلمانوں کو متاثر کیا ہوا ہے اور ان پر ایک مرعوبیت کی کیفیت طاری ہے۔

ہر دو کا علاج اس تعلیمی تربیتی نصاب میں موجود ہے۔ پہلی کمزوری کا حل اس نصاب کے پہلے نکتہ میں اور دوسری کمزوری یعنی عقلی اختراعات کا مقابلہ حکمتِ لقمانی اور حکمتِ عمرؓ سے کر کے اس میدان میں انہیں شکست دے کر نہ صرف پسپائی پر مجبور کیا جا سکتا ہے بلکہ حقیقت کبریٰ کے سامنے ان کی گردنوں کو جھکایا بھی جا سکتا ہے۔

یہ تعلیمی تربیتی نصاب اُمتِ مسلمہ کو زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک لے جا سکتا ہے۔ جیسے علامہ اقبال نے فرمایا:

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے!

اور یہی وہ نصاب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ ہُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ ﴿۵۸﴾﴾ (یونس)

’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ بس لوگوں کو اللہ کے انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے۔ وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔‘‘

جانشینِ مصطفیٰ ﷺ: سیدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس کائنات میں انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد سب سے اعلیٰ‘ سب سے افضل اور سب سے برتر ہستی کون سی ہے؟ تو بلاتامل جواب ہوگا ’’سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ‘‘ کیونکہ آپؓ کی اس عظمت و رفعت کا اعلان خود سید الانبیاء والمرسلین حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے بایں الفاظ کیا ہے:

((مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ اَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ)) (۱)

’’انبیاء ومرسلین کے بعد ابوبکر صدیق سے افضل کسی شخص پر سورج طلوع وغروب نہیں ہوا۔‘‘

یعنی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبیوں اور رسولوں کے علاوہ کائنات بھر میں سے افضل واعلیٰ ہیں۔

حضرت سیدی محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں‘ میں نے اپنے والد حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھا: اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ (۲) ’’حضور ﷺ کے بعد سب لوگوں سے بہتر و برتر کون ہیں؟‘‘ آپؓ نے فرمایا: ’’ابوبکر!‘‘

اسی افضل الخلق بعد الانبیاء والمرسلین کے حالاتِ زندگی کے حوالے سے چند امور پیشِ خدمت ہیں:

ولادت باسعادت

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت واقعہ فیل (جب حبشہ کا بادشاہ ابرہہ ہاتھیوں کے لشکر سے مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا) سے تقریباً دو سال چار ماہ بعد ہوئی۔ (۳)

آپؓ رسول اللہ ﷺ سے دو سال اور چند ماہ چھوٹے تھے۔ (۴)

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل میں ہوئی (۵) تب سن عیسوی ۲۲/اپریل ۵۷۱ء اور بکرمی یکم جیٹھ ۶۲۸ تھا۔ (۶)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ’’سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں‘ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے گھر میں تشریف فرما تھے اور اپنے اپنے میلاد کے حوالے سے محوِ گفتگو تھے‘ جس کا خلاصہ اور حاصل یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک حضرت ابوبکر سے زیادہ تھی۔‘‘ (۷)

بوقتِ ولادت اعلانِ خداوندی

حافظ ابن عساکر‘ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کرتے ہیں‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَمَّا وُلِدَ اَبُوْبَکْرٍ الصِّدِّیْقُ اَقْبَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی جَنَّۃِ عَدْنٍ فَقَالَ: وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا اُدْخِلُکِ اِلَّا مَنْ یُّحِبُّ ھٰذَا الْمَوْلُوْدَ)) (۸)

’’جب ابوبکر صدیق کی ولادت ہوئی‘ تو اللہ تعالیٰ جنت عدن سے مخاطب ہوا: مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم‘ اے جنت! تجھ میں صرف انہی لوگوں کو داخل کروں گا جو اس نومولود سے محبت رکھیں گے۔‘‘

نام ونسب

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی زمانہ جاہلیت میں عبدالکعبہ تھا‘ رسول اللہ ﷺ نے تبدیل کر کے عبداللہ تجویز فرمایا۔ (۹)

آپ کے والد ماجد ابوقحافہ کا نام عثمان تھا‘ جن کا تعلق بنوتیم قبیلہ سے تھا اور نسب اس طرح ہے:

اَبُوْ قُحَافَۃَ عُثْمَانُ بْنُ عَامِرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ کَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ تَیْمِ بْنِ مُرَّۃَ بْنِ کَعْبِ بْنِ لُؤَیِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِھْرِ نِ الْقُرَشِیُّ التَّیْمِیُّ (۱۰)

والدہ ماجدہ کا نام اُمّ الخیر سلمیٰ تھا‘ ان کا نسب حسب ذیل ہے:

سَلْمٰی بِنْتُ صَخْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ کَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ تَیْمٍ (۱۱)

القاب

آپؓ عتیق اور صدیق کے لقب سے ممتاز ہیں‘ جب کہ کنیت آپؓ کی ابوبکر ہے۔

عَتِیق: بعض کا خیال ہے کہ عتیق آپؓ کا نام تھا‘ مگر صحیح یہ ہے کہ عتیق آپؓ کا لقب ہے۔(۱۲)

آپ کو عتیق کیوں کہا جاتا ہے؟ چند وجوہ حسبِ ذیل ہیں:

☆ آپؓ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی‘ جب آپ پیدا ہوئے تو والدہ آپ کو بیت اللہ شریف لے گئیں اور دعا کی: ’’بارِ الٰہا! اسے موت سے آزاد کر کے میری خاطر زندگی عطا فرما دے‘‘۔ دعا قبول ہوئی اور آپ کا لقب عتیق پڑ گیا۔(۱۳)

☆ اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق ؓ کو دیکھ کر فرمایا: ((هٰذَا عَتِيْقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ))(۱۴) ’’یہ من جانب اللہ جہنم کی آگ سے آزاد (محفوظ) ہیں۔‘‘

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ ہی سے دوسری روایت میں ہے‘ فرماتی ہیں: ایک دن میں اپنے گھر میں موجود تھی‘ باہر رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے‘ میرے اور صحابہ کے درمیان پردہ حائل تھا‘ اچانک ابوبکر حاضر خدمت ہوئے‘ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا:

((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى عَتِيْقٍ مِّنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ))(۱۵)

’’جو کوئی دوزخ سے آزاد شخص کو دیکھنا پسند کرے‘ وہ ابوبکر کی زیارت کر لے۔‘‘

اگرچہ بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ؓ کا لقب عتیق پہلے سے تھا مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے لقب عتیق کو شہرت مل گئی۔(۱۶)

☆ عتیق بمعنی حسن و جمال —— چونکہ آپؓ بہت حسین و جمیل تھے‘ اسی وجہ سے لوگ آپ کو عتیق کہتے تھے۔(۱۷)

شیخ ابن جوزی لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کے حسن و جمال کی وجہ سے آپ کا لقب عتیق رکھا۔(۱۸)

☆ آپ کے نسب میں کوئی عیب نہ ہونے اور حسن نسب کی وجہ سے عتیق کہا گیا۔(۱۹)

☆ عتیق بمعنی قدیم —— آپ ؓ کیونکہ قدیم الاسلام ہیں اور ابتدا ہی سے خیر اور بھلائی آپؓ کے لیے مقدر ہو چکی تھی‘ اس لیے عتیق ٹھہرے۔(۲۰)

صِدِّیق: آپ کا سب سے مشہور لقب صدیق ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ اس کی توجیہہ بیان کرتے ہیں:

لِبِدَارِهٖ اِلٰى تَصْدِيْقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ كُلِّ مَا جَاءَ بِهٖ(۲۱)

’’آپؓ نے ہر معاملہ میں حضور ﷺ کی تصدیق کرنے میں پہل کی‘ اس لیے آپ کا لقب صدیق رکھا گیا۔‘‘

شیخ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ خود حضور ﷺ نے آپؓ کا لقب صدیق رکھا اور فرمایا:

’’میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے‘ ابوبکر صدیق (ؓ) تھوڑی مدت کے لیے خلیفہ رہیں گے۔‘‘(۲۲)

اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نام: صدیق

دیلمی‘ اُمّ ہانی ؓ سے روایت کرتے ہیں‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا اَبَا بَكْرٍ! اِنَّ اللّٰهَ سَمَّاكَ الصِّدِّيْقَ))(۲۳)

’’اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام صدیق رکھا ہے۔‘‘

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ یہ لقب اللہ ربّ العزت نے نازل فرمایا۔ آپؓ حلفیہ بیان کرتے ہیں:

لَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِسْمَ اَبِيْ بَكْرٍ مِنَ السَّمَاءِ الصِّدِّيْقَ(۲۴)

’’اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے لیے صدیق کا لقب آسمان سے نازل فرمایا۔‘‘

واقعۂ معراج کی تصدیق

امام حسن بصریؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں:

’’آپؓ کا یہ لقب شب معراج کے اگلے دن کی صبح سے مشہور ہوا۔‘‘(۲۵)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے کہ شبِ معراج سے اگلے دن مشرکینِ مکہ حضرت ابوبکر ؓ کے پاس آئے اور کہا: اپنے صاحب کی اب بھی تصدیق کرو گے؟ انہوں نے دعویٰ کیا ہے: ’’راتوں رات بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔‘‘ ابوبکر صدیق نے کہا: ’’بے شک آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے‘ میں تو صبح و شام اس سے بھی اہم اور مشکل امور کی تصدیق کرتا ہوں‘‘۔ اس واقعہ سے آپؓ کا لقب صدیق مشہور ہو گیا۔(۲۶)

ابن سعد‘ حضرت ابوہریرہ ؓ کے غلام ابو وھب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں‘ جب رسول اللہ ﷺ سفرِ معراج سے واپسی پر وادی طُویٰ پہنچے تو آپ نے جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا: ’’میری قوم اس واقعہ کی تصدیق نہیں کرے گی‘‘۔ جبریل امین علیہ السلام نے کہا: يُصَدِّقُكَ اَبُوْبَكْرٍ

وَ هُوَ الصِّدِّيْقُ (۲۷) ''ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ صدیق ہیں۔''

کنیت —— ابوبکر

عرب میں بالعموم کنیت کا رواج تھا' یہ کبھی اولاد کے نام پر ہوتی ہے' جس طرح حضور ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور کبھی کسی اور مناسبت کے پیش نظر رکھ دی جاتی' جیسے ابوہریرہ' ابوتراب وغیرہ۔ حضرت صدیق اکبر' ابوبکر کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ اس کی وجہ تسمیہ کیا تھی' صحیح بخاری کی ایک روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بنوکلب قبیلہ کی بکر نامی عورت آپ کے نکاح میں تھی' جسے ہجرت کے موقع پر آپؓ نے طلاق دے دی تھی۔(۲۸) البتہ آپ کی اولاد میں سے بکر یا بکرہ نامی کسی کا ذکر نہیں ملتا' جس کی نسبت سے ابوبکر کنیت رکھی گئی ہو۔ امام زرقانی فرماتے ہیں کہ آپ ؓ کی کنیت ابوبکر' حضور محمد مصطفیٰ ﷺ نے رکھی یا کسی اور نے' اس بارے کچھ پتا نہیں چل سکا۔ زمخشری نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے: لِابْتِكَارِهِ الْخِصَالَ الْحَمِيْدَةَ (۲۹) ''اپنی ذات میں اوصاف حمیدہ جمع کرنے میں سبقت لے جانے کی وجہ سے آپ کو ابوبکر کہا گیا۔'' زمخشری کی بیان کردہ توجیہہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

صدیقِ اکبر ؓ کا آسمانی نام

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے' ایک مرتبہ جبریل امین علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ابوبکر صدیق کا قریب سے گزر ہوا' جبریل نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ ابوقحافہ کے صاحبزادے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم آسمانوں میں رہنے والے انہیں پہچانتے ہو؟'' جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی:

وَ الَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَهُوَ فِي السَّمَاءِ اَشْهَرُ مِنْهُ فِي الْاَرْضِ، وَ اِنَّ اسْمَهٗ فِي السَّمَاءِ الْحَلِيْمُ (۳۰)

''قسم ہے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمانے والے کی! ابوبکر کا زمین کی نسبت آسمانوں پر زیادہ شہرہ ہے' وہاں ان کا نام حلیم ہے۔''

حلیہ مبارکہ

آپ کا رنگ سفید' رخسار ہلکے ہلکے' چہرہ باریک اور پتلا' پیشانی بلند' منحنی جسم' چادر باندھتے تو نیچے ڈھلک جاتی۔ اور داڑھی کو سرخ وسیاہ مہندی سے رنگا کرتے۔(۳۱)

آپؓ کی نشوونما مکہ مکرمہ میں ہوئی' کبھی کبھی تجارت کے لیے باہر جاتے۔ آپ نہایت متموّل شخص تھے۔ قریش میں اخلاق و عادات' فضل و شرف اور احسان کے لحاظ سے اہم مقام کے حامل تھے۔(۳۲) قریش کے مشہور قبیلہ قارہ کے سردار ابن دغنہ نے آپ کے اوصافِ حسنہ کا بایں الفاظ اعتراف کیا:

اِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتُقْرِی الضَّيْفَ، وَ تُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ (۳۳)

''اے ابوبکر! بے شک آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں' کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصیبت زدہ افراد کے کام آتے ہیں۔''

عہدِ جاہلیت

امام نوویؒ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا شمار دور جاہلیت میں قریش کے سرداروں اور اہل مشاورت میں ہوتا تھا۔ آپؓ کی شخصیت نہایت محبوب تھی' قریش کے معاملات کو بہتر طور پر سمجھتے تھے۔(۳۴)

قبائل عرب میں باقاعدہ کوئی بادشاہ نہ ہوتا تھا' بلکہ ہر قبیلہ کے سردار کے ذمہ کوئی نہ کوئی خدمت تفویض کر دی جاتی' چنانچہ دیت اور تاوان کی ذمہ داری سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے سپرد تھی۔(۳۵)

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں: آپؓ اسلام سے پہلے کے دور میں بھی نہایت وجیہہ اور رؤسائے قریش میں سے تھے۔ اشناق یعنی دیت وخون بہا کے فیصلے آپ کے سپرد تھے۔ آپ کا فیصلہ سب کے لیے قابل قبول ہوتا۔ اگر کسی قاتل کے آپ ضامن ہو جاتے تو اسے معتبر سمجھا جاتا' جب کہ کسی اور کی ضمانت قابل لحاظ نہ سمجھی جاتی۔(۳۶)

شراب نوشی سے محفوظ

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ شروع ہی سے سلیم الفطرت تھے' شراب نوشی سے عمر بھر محفوظ رہے۔ ایک بار صحابہ کرام ؓ نے پوچھا: زمانۂ جاہلیت میں کبھی شراب نوشی کی ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' صحابہ نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اپنی عزت

اور مال کی حفاظت مطلوب تھی‘ شراب نوشی عزت و آبرو کے لیے باعث نقصان ہے‘‘۔

حضورﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: ((صَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ)) (۳۷) ’’ابوبکر سچ کہتے ہیں‘ (واقعی انہوں نے کبھی شراب نوشی نہیں کی)۔‘‘

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: وَاِنَّہٗ کَانَ قَدْ حَرَّمَ الْخَمْرَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ (۳۸) ’’آپؓ نے زمانۂ جاہلیت میں ہی شراب کو حرام کر رکھا تھا۔‘‘

بُت پرستی سے نفرت

ایک ایسے معاشرے میں جہاں کھلے عام بتوں کی پوجا کی جاتی‘ آپؓ دورِ جاہلیت میں بھی بت پرستی سے محفوظ رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں‘ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں انصار و مہاجر صحابہ کرامؓ حاضر تھے‘ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کی حیاتِ مقدس کی قسم‘ میں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے کہا: زمانہ جاہلیت میں بت پرستی سے حفاظت کا دعویٰ کیوں کر ممکن ہے؟ اس پر حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنے بچپن کا وہ واقعہ سنایا‘ جب آپ کے والد انھیں بت خانہ لے گئے‘ بُتوں کی تعریف کی اور کہا: یہ تیرے معبود ہیں — آپؓ نے بُت سے کہا‘ میں بھوکا ہوں کھانا کھلا — ننگا ہوں‘ کپڑے پہنا — پھر پتھر اٹھایا اور کہا: اگر معبود ہے تو خود کو بچالے — زور سے پتھر مارا‘ بت اوندھا گر گیا — ابو قحافہ کو سخت رنج پہنچا‘ گھر آکر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی والدہ سے شکایت کی — انہوں نے کہا: اس بچے کو کچھ نہ کہو‘ یہ ابھی میرے شکم میں تھا تو غیب سے ندا آئی تھی:

یَا اَمَۃَ اللّٰہِ عَلَی التَّحْقِیْقِ
اَبْشِرِیْ بِالْوَلَدِ الْعَتِیْقِ
اِسْمُہٗ فِی السَّمَاءِ الصِّدِّیْقِ
لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّ رَفِیْقٌ

’’اے اللہ کی بندی! بلا شک وشبہ تجھے بشارت ہو‘ ایک آزاد بیٹے کی — جس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے اور وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا رفیق ہوگا۔‘‘

حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے جب یہ واقعہ سنایا تو سیدنا جبریل امین علیہ السلام حضور ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: ’’ابو بکر نے سچا واقعہ بیان کیا ہے۔‘‘ (۳۹)

قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ سے آپؓ کی شروع ہی سے دوستی تھی‘ آپ حضور ﷺ کے ندیم خاص اور راز داں تھے۔ بعثت سے پہلے حضور ﷺ غیب سے آواز سنتے‘ کوئی پکارتا: یا محمد! اس خصوصی راز سے آپ ﷺ نے ابو بکر کو آگاہ فرما دیا۔ (۴۰)

۱۸ سال کی عمر میں آپؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ بغرضِ تجارت شام کا سفر اختیار فرمایا‘ اس موقع پر بحیرہ راہب کے ہاں اور راستہ میں حضور ﷺ کی برکات اور ارہاصات کا مشاہدہ فرماتے رہے۔ (۴۱)

مزید برآں بعثت نبوی سے پہلے آپؓ نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا‘ آسمان پر چودھویں کا چمکتا ہوا چاند اچانک پھٹ گیا‘ اس کے ٹکڑے مکہ کے ہر گھر میں بکھر گئے‘ پھر یہ ٹکڑے سمٹ کر اکٹھے ہوئے اور یہ چمکتا ہوا چاند آپ کی گود میں آ گیا۔ آپ نے خواب اہلِ کتاب (عیسائی یا یہودی) کے عالم کو سنایا تو اس نے تعبیر بتائی کہ وہ نبی محتشم‘ جن کا انتظار ہے‘ اس آخر الزماں نبی ﷺ کے آپ معاون و مددگار ہوں گے۔ سو جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ نے بلا توقف‘ بغیر کسی پس و پیش کے اسلام قبول کر لیا۔ (۴۲)

آپؓ کے قبول اسلام کے سلسلے میں بہت سے واقعات کتب سیر و مناقب میں مرقوم ہیں‘ لیکن خود حضور ﷺ کے بعض ارشادات کی روشنی میں یہ امر یقینی ہے کہ آپؓ قدیم الاسلام ہیں۔

حافظ ابن عساکر‘ حضرت سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’ابو بکر کے سوا میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی‘ اس نے توقف کیا‘ ابو بکر نے میری ہر بات کو قبول کیا اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔‘‘ (۴۳)

محمد بن عبد الرحمٰن تمیمیؓ سے مروی ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا دَعَوْتُ اَحَدًا اِلَی الْاِسْلَامِ اِلَّا کَانَتْ لَہٗ عَنْہُ کَبْوَۃٌ وَ تَرَدُّدٌ وَ نَظَرٌ اِلَّا اَبَابَکْرٍ ، مَا عَتَمَ عَنْہُ حِیْنَ ذَکَرْتُہٗ لَہٗ وَ مَا تَرَدَّدَ فِیْہِ)) (۴۴)

’’میں نے جس کسی کو بھی دعوتِ اسلام دی‘ اس نے توقف کیا اور متردد ہوا‘ مگر ابو بکر نے

میری دعوت کو کسی پس و پیش کے بغیر بلا تردد قبول کر لیا۔''

مدحِ صدیقِ اکبر بزبانِ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا' سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ آپ نے فرمایا: کیا تم نے حضرت حسان کے یہ اشعار نہیں سنے:

اِذَا تَذَکَّرْتَ شَجْوًا مِنْ اَخِیْ ثِقَۃٍ
فَاذْکُرْ اَخَاکَ اَبَابَکْرٍ بِمَا فَعَلَا
خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ اَتْقَاھَا وَاَعْدَلُھَا
بَعْدَ النَّبِیِّ وَاَوْفَاھَا بِمَا حَمَلَا
وَالثَّانِی التَّالِی الْمَحْمُوْدُ مَشْھَدُہٗ
وَ اَوَّلُ النَّاسِ مِمَّنْ صَدَّقَ الرُّسُلَا (45)

''جب تم اپنے سچے پکے بھائی کے دکھ درد کو یاد کرنے لگو تو اپنے بھائی ابوبکر کے کارناموں کو یاد کر لینا۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہیں' آپ سب سے زیادہ متقی' عادل اور حقوق و ذمہ داریوں کو نبھانے میں سب سے زیادہ وفادار ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے ثانی' آپ کے تابع' ہمیشہ ساتھ رہنے والے اور ممدوح و مرجع خلائق ہیں۔ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں' جنہوں نے سب سے پہلے رسولوں کی تصدیق کی۔''

آخری مصرعہ میں آپؓ کی اسلام میں اولیت کی زبردست شہادت ہے اور رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں اسے بیان کرنے اور آپؐ کے سماعت فرمانے سے اس کی ثقاہت و اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے مزید دو شعر درج کیے ہیں:

وَ ثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیْفُ وَ قَدْ
طَافَ الْعَدُوُّ بِہٖ اِذْ صَعِدُوْا الْجَبَلَا
وَ کَانَ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدْ عَلِمُوْا
خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ لَمْ یَعْدِلْ بِہٖ رَجُلَا (46)

''اس بلند پہاڑ پر واقع غار میں دو میں سے دوسرے آپ ہی تھے' جب پہاڑی پر چڑھنے کے بعد دشمن غار کے اردگرد منڈلانے لگے —— آپ رسول اللہ ﷺ کے

محبوب ہیں' سب کو معلوم ہے کہ آپ تمام مخلوق میں سے بہتر ہیں اور کوئی بھی ان کے برابر نہیں۔''

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی منقبت سننا سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے

حافظ ابن عساکر بیان کرتے ہیں' نبی مکرم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ((ھَلْ قُلْتَ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ شَیْئًا؟)) ''کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں بھی کچھ کہا ہے؟'' عرض کی: ہاں' پھر آپ نے درج بالا اشعار سنائے۔

فَسَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِذٰلِکَ، فَقَالَ : ((اَحْسَنْتَ یَا حَسَّانُ)) (47)

''اشعار سن کر حضور ﷺ نے اظہارِ مسرت کیا اور فرمایا: ''اے حسان! تم نے خوب کہا!''

کنز العمال میں ہے' حضور ﷺ نے فرمایا: ((قُلْ وَاَنَا اَسْمَعُ)) ''(صدیق کی منقبت) کہیے' میں سننا چاہتا ہوں۔''

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منقبت سنا چکے تو آقا حضور ﷺ خوش ہو گئے:

فَضَحِکَ نَوَاجِذُہٗ وَ قَالَ: ((صَدَقْتَ یَا حَسَّانُ ھُوَ کَمَا قُلْتَ)) (48)

''مسکراہٹ سے آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے حسان! تو نے سچ کہا ہے' واقعی صدیق ایسے ہی ہیں جیسے تو نے بیان کیا۔''

اس روایت سے ثابت ہوا کہ ''نعت'' کی طرح منقبت صدیق اکبر کی سماعت بھی سنتِ مصطفیٰ ہے اور منقبت سنانا سنتِ صحابہ ہے' نیز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی پر اظہارِ مسرت' آقا حضور ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔

مصدقِ اوّل

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ: کَذَبْتَ، وَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ: صَدَقَ)) (49)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سب کی طرف مبعوث فرمایا تو سب نے میری تکذیب کی' جب کہ ابوبکر نے میری تصدیق کی۔''

صدیق اکبر کے لیے تمام ایمان داروں کا ثواب

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی اوّلیت کا اس حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا

ہے‘ جسے خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا‘ آپ فرماتے ہیں‘ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو فرمایا:

((یَا اَبَابَکْرٍ اِنَّ اللّٰہَ اَعْطَانِیْ ثَوَابَ مَنْ آمَنَ لِیْ مُنْذُ خَلَقَ آدَمَ اِلٰی اَنْ بَعَثَنِیْ، وَ اِنَّ اللّٰہَ اَعْطَاكَ یَا اَبَابَکْرٍ ثَوَابَ مَنْ آمَنَ بِیْ مُنْذُ بَعَثَنِیْ اِلٰی اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَۃُ)) (۵۰)

’’اے ابوبکر! آدم ؑ سے لے کر میری بعثت تک جو کوئی بھی مجھ پر ایمان لایا‘ ہر ایک کا ثواب اللہ تعالیٰ مجھے پہنچائے گا اور اے ابوبکر! میری بعثت سے تا قیامِ قیامت تمام ایمان داروں کا ثواب تمہیں ملے گا۔‘‘

تطبیقِ روایات

قبولِ اسلام کی اوّلین سعادت کسے نصیب ہوئی؟ اس کا حتمی فیصلہ نہایت مشکل ہے‘ کیونکہ اس سلسلہ میں متعدد و متضاد روایات ملتی ہیں‘ جن میں تین حضرات کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں:

۱......حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ ؓ

۲......حضرت ابوبکر صدیق ؓ

۳......حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم

تاہم قولِ فیصل وہی ہے جو حافظ امام جلال الدین سیوطی ؒ نے سراج الامّہ کاشف الغمّہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے— آپ نے اوّلیت ایمان کی تمام روایات میں تطبیق کرتے ہوئے نہایت قرین قیاس اور دل لگتی بات کہی ہے‘ فرماتے ہیں:

’’مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ‘ عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ ؓ اور بچوں میں سب سے پہلے سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے اسلام قبول کیا۔‘‘ (۵۱)

اعزاز

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا اسلام میں جو مقام و مرتبہ ہے‘ اس کا انکار ممکن نہیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ اعزاز بھی بخشا کہ آپ کی چار پشتیں شرفِ صحابیت سے بہرہ یاب ہوئیں اور یہ اعزاز کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا‘ ع ’’یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!‘‘

یہ دراصل ان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسولِ مکرّم ﷺ کا عظیم کرم اور ان کی اپنی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا— حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ بارگاہِ خداوندی میں دعا کیا کرتے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ط اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾﴾ (۵۲)

’’اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر فرمایا اور اس پر کہ میں وہ نیک کام کرتا رہوں جو تجھے پسند آئیں‘ اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی رکھ دے۔ بے شک میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بے شک میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کے والدین اور تمام اولاد کو دولت ایمانی سے سرفراز فرمایا۔ (۵۳)

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں:

’’حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے والدین بھی مسلمان اور آپ کے صاحبزادے محمد اور عبد اللہ اور عبد الرحمٰن اور آپ کی صاحبزادیاں حضرت عائشہ اور حضرت اسماء اور آپ کے پوتے محمد بن عبد الرحمٰن (اور نواسے حضرت عبد اللہ بن زبیر (محبؔ)— یہ سب مومن اور سب شرف صحابیت سے مشرف صحابہ ہیں‘ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین —— آپؓ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کو یہ فضیلت حاصل ہو کہ اس کے والدین بھی صحابی ہوں‘ خود بھی صحابی ہو‘ اولاد بھی صحابی اور پوتے بھی صحابی‘ چار پشتیں شرف صحابیت سے مشرف۔‘‘ (۵۴)

یہ تفصیل قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بھی بیان کی ہے۔ (۵۵)

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

حَکٰی الْوَاحِدِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَوْمٌ کَثِیْرٌ مِنْ مُتَأَخِّرِی الْمُفَسِّرِیْنَ وَمُتَقَدِّمِیْھِمْ اِنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ ؓ (۵۶)

’’حضرت ابن عباس اور متقدمین و متاخرین مفسرین میں سے بہت سے حضرات کے

نزدیک یہ آیت مبارکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔‘‘

اشاعتِ اسلام

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

’’حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی تالیفِ قلوب کرنے والے اور محبوب شخصیت کے حامل تھے‘ وہ قریش کے نسب اور ان کے تمام معاملات سے خوب واقف تھے‘ آپ تاجر‘ خلیق اور نیک سیرت انسان تھے‘ آپ کی قوم کے لوگ آپ سے نہایت درجہ اُنس رکھتے اور اپنے امور میں آپ کے علم اور تجربہ سے مستفید ہوتے۔ آپ خوش مجلس تھے‘ چنانچہ آپ نے دعوتِ اسلام کا کام شروع کیا‘ آپ کی ترغیب سے حضرت عثمان‘ حضرت طلحہ‘ حضرت زبیر‘ حضرت سعد‘ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین ایسے جلیل القدر لوگ مشرف با اسلام ہوئے۔‘‘(۵۷)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام لانے والے ان پانچ حضرات کا تعلق‘ دس افراد پر مشتمل اس مقدس جماعت سے ہے‘ جنہیں ’’عشرہ مبشرہ‘‘ کہا جاتا ہے۔(۵۸) رسول اکرم ﷺ نے انہیں ایک ہی مجلس میں جنت کی بشارت عنایت فرمائی۔ عشرۂ مبشرہ میں سے باقی پانچ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق‘ حضرت عمر فاروق‘ حضرت مولا علی‘ حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم اجمعین۔(۵۹)

مظلوم غلاموں کی آزادی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت اشاعت اسلام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپ اسلام لائے تو آپ کے پاس چالیس ہزار (درہم یا دینار) تھے‘ پینتیس ہزار آپ نے ہجرت سے پہلے راہِ حق میں خرچ کیے اور جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کے پاس صرف پانچ ہزار باقی تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی آپ کا یہی مصرف تھا۔(۶۰)

یہ ساری کی ساری رقم مظلوم اور کمزور غلاموں کی آزادی اور مسلمانوں کی مدد پر خرچ کر دی۔ غرض اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر تادمِ آخر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ خدمت اسلام کے لیے آپ کی ان ہی مساعی جمیلہ کے پیشِ نظر آقا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((اَمَنُّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَ مَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ))

’’تمام انسانوں میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر صدیق کا ہے۔‘‘

حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے اس حقیقت کی یوں ترجمانی کی:

آں اَمَنُّ النّاس بر مولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما
ہمّتِ او کشتِ ملّت را چوں ابر
ثانئ اسلام و غار و بدر و قبر

حوالہ جات

١) الرياض النضرة فى مناقب العشرة، ج١، ص١٣٦
٢) صحيح البخارى، ج١، ص٥١٨
٣) مختصر تاريخ دمشق، لابن عساكر، ج١٣، ص٣٧/ تاريخ دمشق الكبير، ج٣٢، ص١٣
٤) تاريخ الخلفاء، ص٣٠ ٥) المواهب اللدنية مع زرقانى، ج١، ص١٣٠
٦) رحمة للعالمين، قاضى محمد سلمان منصور پورى، جے ایس پرنٹرز، لاهور، ج١، ص٤٠
٧) الاصابة، ج٢، ص٣٣٣
٨) مختصر تاريخ دمشق، ج١٣، ص٦٩/ تاريخ دمشق الكبير، ج٣٢، ص٩٨
٩) الاستيعاب، ج١، ص٣٢٩
١٠) الاستيعاب، ج١، ص٣٢٩/ طبقات ابن سعد، ج٣، ص١٦٩
١١) الكامل فى التاريخ، ج٢، ص٤٢٠ ١٢) تاريخ الخلفاء، ص٢٨
١٣) مختصر تاريخ دمشق، ج١٣، ص٣٥/ تاريخ دمشق الكبير، ج٣٢، ص١٤
١٤) طبقات ابن سعد، ج٣، ص١٧٠
١٥) تاريخ دمشق، ج٢٩، ص٥/ الرياض النضرة، ج١، ص٧٨
١٦) زرقانى، ج١، ص٢٢١ ١٧) تاريخ الخميس، ج٢، ص١٩٩
١٨) صفة الصفوة، ج١، ص٨٨
١٩) تاريخ الخميس، ج٢، ص١٩٩/ الاستيعاب، ج١، ص٣٢٩
٢٠) زرقانى، ج١، ص٢٣٨ ٢١) الاستيعاب، ج١، ص٣٣١
٢٢) صفة الصفوة، ج١، ص٨٨ ٢٣) سبل الهدى، ج١١، ص٢٠٢
٢٤) تاريخ دمشق الكبير، ج٣٢، ص٥١ ٢٥) تاريخ الخلفاء، ص٢٩

۲۶) ایضاً ۲۷) طبقات ابن سعد، ج۳، ص ۱۷۰
۲۸) صحیح البخاری، باب ھجرۃ النبی، ج ۲ ،ص۶-۸۰۵
۲۹) زرقانی، ج ۱، ص۲۳۸ ۳۰) الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۸۲
۳۱) الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۴۲۰ ۳۲) تاریخ الخلفاء، ص ۳۱
۳۳) صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۵۲ ۳۴) تاریخ الخلفاء ، ص ۳۱
۳۵) ایضاً ۳۶) الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۳۱
۳۷) الریاض النضرۃ ، ج ۱، ص ۲۰۱ ۳۸) ایضاً
۳۹) ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج۶، ص ۱۰-۲۰۹
۴۰) الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۹۲
۴۱) المواھب اللدنیۃ / زرقانی، ج ۱، ص ۱۹۷/ مدارج النبوۃ، ج۲، ص ۲۶
۴۲) زرقانی، ج ۱، ص ۲۴۰/ سبل الھدیٰ و الرشاد، ج۲، ص ۳۰۳
۴۳) تاریخ دمشق الکبیر، ج۳۲، ص۲۹ ۴۴) تاریخ دمشق الکبیر، ج۳۲، ص۲۹
۴۵) الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۳۰/ زرقانی، ج ۱، ص ۲۳۹
۴۶) الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۳۰ ۴۷) ایضاً
۴۸) کنز العمال، ج۶، ص ۳۱۸-۳۲۰
۴۹) صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۱۷، حدیث نمبر ۳۶۶۱
۵۰) تاریخ بغداد، ج۴، ص ۲۵۶/ تاریخ دمشق الکبیر، ج۳۲، ص ۷۹
۵۱) تاریخ الخلفاء، ص ۳۴ ۵۲) الاحقاف، ۱۵:۴۶
۵۳) سبل الھدیٰ و الرشاد، ج ۱۱، ص ۲۵۷/ تفسیر مظھری، ج۸، ص ۴۰۴-۴۰۵
۵۴) خزائن العرفان، زیر آیت بالا ۵۵) مظھری، ج۸، ص ۵-۴۰۴
۵۶) تفسیر کبیر، ج۲۸، ص ۱۹ تا ۲۱
۵۷) الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۲، ص ۲۳۴
۵۸) نور الابصار، ص ۵۳
۵۹) سنن الترمذی، باب مناقب عبد الرحمٰن بن عوف، ج۲، ص ۲۳۹
۶۰) الاصابۃ ، ج۲، ص ۳۳۴

(تشکّر : ماہنامہ ’’نورالحبیب‘‘ بصیرپور)

حج کی اہمیت وفضیلت اور احکام ومسائل

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی☆

حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے

اَشہرِ حج یعنی حج کے ایام شروع ہو چکے ہیں اور دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں عازمین حج، حج کا ترانہ یعنی لبیک پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ رہے ہیں۔ اس طرح لاکھوں حجاج کرام حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر حج کی ادائیگی کر کے اپنا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانیوں کے ساتھ جوڑیں گے۔ حج کو اسی لیے عاشقانہ عبادت کہتے ہیں کیونکہ حاجی کے ہر عمل سے وارفتگی اور دیوانگی ٹپکتی ہے۔ حج اس لحاظ سے بڑی نمایاں عبادت ہے کہ یہ بیک وقت روحانی، مالی اور بدنی تینوں پہلوؤں پر مشتمل ہے اور یہ خصوصیت کسی دوسری عبادت کو حاصل نہیں ہے۔ حج کے فرائض، واجبات اور سنن کی رعایت کرتے ہوئے، نیز گناہوں سے محفوظ رہ کر صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے اگر حج کیا جائے تو وہ حج، حج مبرور ہوگا، ان شاء اللہ، جس کا بدلہ صرف جنت ہے۔

حج کی فرضیت کے بعد ادائیگی میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے

حج کی فرضیت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۹۷﴾ (آل عمران)

''اللہ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔''

☆ ای میل : najeebqasmi@gmail.com، ویب سائٹ : www.najeebqasmi.com

اس اہم عبادت کی خصوصی تاکید احادیث نبویہ میں وارد ہوئی ہے اور اُن لوگوں کے لیے جن پر حج فرض ہوگیا ہے لیکن دنیاوی اغراض یا سستی کی وجہ سے بلا شرعی مجبوری کے حج ادا نہیں کرتے، سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾)) (سنن الترمذی)

''جو شخص زادِ راہ اور سواری کا مالک ہے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے اور وہ حج نہ کرے تو پھر (اللہ تعالیٰ کو) اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ''اللہ کے واسطے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اُس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَعَجَّلُوْا اِلَى الْحَجِّ، فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَا يَعْرِضُ لَهٗ)) (مسند احمد)

''فریضۂ حج ادا کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اسے کیا عذر پیش آ جائے۔''

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ)) (سنن ابی داؤد)

''جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہے (یعنی جس پر حج فرض ہوگیا ہے) اس کو جلدی کرنی چاہیے۔''

حج کی اہمیت وفضیلت

حج بیت اللہ کی خاص اہمیت اور متعدد فضائل احادیث نبویہ میں وارد ہوئے ہیں، چند احادیث حسب ذیل ہیں:

☆ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ: اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ: ((اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ))، قِيْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

قِیْلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ((حَجٌّ مَبْرُوْرٌ)) (متفق علیہ)

’’حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا‘‘۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ کی راہ میں جہاد کرنا‘‘۔ پھر عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’حج مقبول۔‘‘

☆ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ)) (متفق علیہ)

’’جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کے لیے حج کیا اور اس دوران کوئی بیہودہ بات یا گناہ نہیں کیا تو وہ (پاک ہوکر) ایسا لوٹتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے روز (پاک تھا)۔‘‘

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِمَا بَیْنَھُمَا ، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّۃَ)) (متفق علیہ)

’’ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہے جو دونوں عمروں کے درمیان سرزد ہوں‘ اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔‘‘

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَابِعُوْا بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ، فَاِنَّھُمَا یَنْفِیَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ، وَالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ، وَلَیْسَ لِلْحَجَّۃِ الْمَبْرُوْرَۃِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ)) (سنن الترمذی)

’’پے درپے حج وعمرے کیا کرو۔ بے شک یہ دونوں (حج وعمرہ) فقر یعنی غریبی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے‘ سونے اور چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔‘‘

عورتوں کے لیے عمدہ ترین جہاد: حج مبرور

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! نَرَی الْجِھَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ، اَفَلَا نُجَاھِدُ؟ قَالَ: ((لَا، لٰکِنَّ اَفْضَلَ الْجِھَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ)) (صحیح البخاری)

’’یارسول اللہ ﷺ! ہمیں معلوم ہے کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے‘ تو کیا ہم (خواتین) جہاد نہ کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’نہیں‘ بلکہ (عورتوں کے لیے) عمدہ ترین جہاد‘ حج مبرور ہے۔‘‘

حجاج کرام اللہ کے مہمان ہیں اور ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ، اِنْ دَعَوْہُ اَجَابَھُمْ، وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْہُ غَفَرَ لَھُمْ)) (سنن ابن ماجہ)

’’حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں تو وہ قبول فرمائے اور اگر وہ اس سے مغفرت طلب کریں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اُس کے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے اپنی مغفرت کی دعا کے لیے کہو کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو چکی ہے‘‘۔ (مسند احمد)

حج کی نیکی‘ لوگوں کو کھانا کھلانا‘ نرم گفتگو کرنا اور سلام کرنا

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں‘‘۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حج کی نیکی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’حج کی نیکی‘ لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا ہے‘‘۔ (رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط وابن خزیمۃ فی صحیحہ)۔ مسند احمد اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’حج کی نیکی‘ کھانا کھلانا اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرنا ہے۔‘‘

حج وعمرہ میں خرچ کرنا اجر وثواب کا باعث

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلنَّفَقَۃُ فِی الْحَجِّ کَالنَّفَقَۃِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِسَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ))

(مسند احمد)

''حج میں خرچ کرنا جہاد میں خرچ کرنے کی طرح ہے‘ یعنی حج میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے عمرے کا ثواب تیرے خرچ کے بقدر ہے یعنی جتنا زیادہ اس پر خرچ کیا جائے گا اتنا ہی ثواب ہوگا''۔ (مستدرک الحاکم)

حج کا ترانہ: لبیک

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب حاجی لبیک کہتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جانب جو بھی پتھر‘ درخت اور ڈھیلے وغیرہ ہوتے ہیں‘ وہ بھی لبیک کہتے ہیں اور اسی طرح زمین کی انتہا تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے (یعنی ہر چیز ساتھ میں لبیک کہتی ہے)''۔ (سنن ترمذی و سنن ابن ماجہ)

حجر اسود‘ مقام ابراہیم اور رکن یمانی

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حجر اسود اور مقام ابراہیم قیمتی پتھروں میں سے دو پتھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پتھروں کی روشنی ختم کر دی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو یہ دونوں پتھر مشرق اور مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دیتے''۔ (ابن خزیمہ)

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حجر اسود جنت سے اُترا ہوا پتھر ہے جو کہ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن لوگوں کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے''۔ (سنن ترمذی)

☆ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حجر اسود کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھائیں گے کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور گواہی دے گا ہر اُس شخص کے حق میں جس نے اُس کا حق کے ساتھ بوسہ لیا ہو''۔ (سنن ترمذی و سنن ابن ماجہ)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں پتھروں (حجر اسود اور رکن یمانی) کو چھونا گناہوں کو مٹاتا ہے''۔ (سنن ترمذی)

☆ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں اور جو شخص وہاں جا کر یہ دعا پڑھے: ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ تو وہ سب فرشتے آمین کہتے

ہیں (یعنی یا اللہ! اس شخص کی دعا قبول فرما)''۔ (سنن ابن ماجہ)

حطیم‘ بیت اللہ کا ہی حصہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کعبہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھنا چاہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں لے گئے اور فرمایا: ''جب تم بیت اللہ (کعبہ) کے اندر نماز پڑھنا چاہو تو یہاں (حطیم میں) کھڑے ہو کر نماز پڑھ لو۔ یہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ تیری قوم نے بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر کے وقت (حلال کمائی میسر نہ ہونے کی وجہ سے) اسے (چھت کے بغیر) تھوڑا سا تعمیر کرا دیا تھا''۔ (سنن نسائی)

آبِ زمزم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمزم کا پانی جس نیت سے پیا جائے وہی فائدہ اس سے حاصل ہوتا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روئے زمین پر سب سے بہتر پانی زمزم ہے جو بھوکے کے لیے کھانا اور بیمار کے لیے شفا ہے''۔ (طبرانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمزم کا پانی (مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ) لے جایا کرتی تھیں اور فرماتیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے۔ (سنن ترمذی)

عرفہ کا دن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عرفہ کے دن کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کثرت سے بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں۔ اس دن اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کے) بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے اُن (حاجیوں) کی وجہ سے فخر کرتے ہیں اور فرشتوں سے پوچھتے ہیں (ذرا بتاؤ تو) یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں''۔ (صحیح مسلم)

حج یا عمرہ کے سفر میں انتقال

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص حج کو جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے‘ اس کے لیے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا‘ اور جو شخص عمرہ کے لیے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے تو اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا''۔ (سنن ابن ماجہ)

طواف اور سعی کے احکام ومسائل

طواف کی فضیلت

☆ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کی ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں روزانہ اس گھر (بیت اللہ) پر نازل ہوتی ہیں‘ جن میں سے ساٹھ طواف کرنے والوں پر‘ چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر اور بیس خانہ کعبہ کو دیکھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں‘‘۔ (طبرانی)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’جس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت ادا کیں گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا‘‘۔ (سنن ابن ماجہ)

طواف

بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانا اور دو رکعت نماز پڑھنے کا نام طواف ہے۔ طواف کا ہر چکر حجر اسود کے استلام سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتا ہے۔ حجر اسود کا بوسہ لینا یا اس کی طرف دونوں یا داہنے ہاتھ سے اشارہ کر کے ’’بسم اللہ اللہ اکبر‘‘ کہنا استلام کہلاتا ہے۔ طواف فرض ہو یا واجب یا نفل‘ اس میں سات ہی چکر ہوتے ہیں اور اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ اگر بیت اللہ کے قریب سے طواف کیا جائے تو سات چکر میں تقریباً ۳۰ منٹ لگتے ہیں‘ لیکن دور سے کرنے پر تقریباً ایک سے دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ ۱۰ ذی الحجہ کو طواف زیارت کرنے میں کبھی اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔

طواف کی قسمیں

۱) طوافِ قدوم یعنی آنے کے وقت کا طواف: یہ اُس شخص کے لیے سنت ہے جو میقات کے باہر سے آیا ہو اور حج اِفراد یا حج قران کا ارادہ رکھتا ہو۔ حج تمتع اور عمرہ کرنے والوں کے لیے یہ سنت نہیں۔

۲) طوافِ عمرہ یعنی عمرہ کا طواف۔

۳) طوافِ زیارت یعنی حج کا طواف جس کو ’طوافِ افاضہ‘ بھی کہتے ہیں۔ یہ حج کا رکن ہے اور اس طواف کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا۔

۴) طوافِ وداع یعنی مکہ سے روانگی کے وقت کا طواف (یہ میقات سے باہر رہنے والے یعنی آفاقی کے لیے ضروری ہے)۔

۵) نفلی طواف۔

حج میں ضروری طواف کی تعداد

حج اِفراد میں دو عدد (طوافِ زیارت اور آفاقی کے لیے طوافِ وداع)۔

حج قران میں تین عدد (طوافِ عمرہ‘ طوافِ زیارت اور آفاقی کے لیے طوافِ وداع)۔

حج تمتع میں تین عدد (طوافِ عمرہ‘ طوافِ زیارت اور آفاقی کے لیے طوافِ وداع)۔

آفاقی: پانچ میقاتوں سے باہر کے رہنے والوں کو آفاقی کہا جاتا ہے‘ یعنی اہل حرم اور اہل حل کے علاوہ پوری دنیا کے لوگ آفاقی ہیں۔ اگر کسی عورت کو روانگی کے وقت ماہواری آجائے تو اس کے لیے طوافِ وداع معاف ہے۔

نفلی طواف: نفلی طواف کی کوئی تعداد نہیں‘ رات یا دن میں جب چاہیں اور جتنے چاہیں کریں۔ باہر سے آنے والے حضرات مسجد حرام میں نفلی نماز پڑھنے کے بجائے نفلی طواف زیادہ کریں۔ اہل حرم اور اہل حل کو حج اِفراد ہی کرنا چاہیے تاکہ آفاقی لوگ زیادہ سے زیادہ نفلی طواف کر سکیں۔ یاد رکھیں کہ ہر نفلی طواف کے بعد بھی دو رکعت نماز ادا کرنا ضروری ہے۔

وضاحت: دو طواف اس طرح اکٹھے کرنا مکروہ ہے کہ طواف کی دو رکعت درمیان میں ادا نہ کریں‘ لہٰذا پہلے ایک طواف کو مکمل کر کے دو رکعت ادا کر لیں‘ پھر دوسرا طواف شروع کریں۔ لیکن اگر اُس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہو تو دو طوافوں کا اکٹھا کرنا جائز ہے۔ سعودی عرب میں نماز عصر اوّل وقت میں ادا کی جاتی ہے اور عصر اور مغرب کے درمیان کافی وقت ہوتا ہے۔ خاص طور پر گرمیوں میں تقریباً تین گھنٹے ہوتے ہیں۔ اگر طواف سے نمازِ عصر کے بعد فراغت ہوئی ہے اور مغرب تک کافی وقت باقی ہے تو طواف کی دو رکعت اُس وقت ادا کر سکتے ہیں‘ البتہ اگر مغرب کا وقت قریب آ گیا ہے تو پھر غروبِ آفتاب کے بعد ہی ادا کریں۔

اھم مسئلہ : معذور شخص جس کا وضو نہیں ٹھہرتا (مثلاً کوئی زخم جاری ہے یا پیشاب کے قطرات مسلسل گرتے رہتے ہیں یا عورت کو بیماری کا خون آ رہا ہے) تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ نماز کے ایک وقت میں وضو کرے، پھر اس وضو سے اس وقت میں جتنے چاہے طواف کرے، نمازیں پڑھے اور قرآن کی تلاوت کرے۔ البتہ دوسری نماز کا وقت داخل ہوتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر طواف مکمل ہونے سے پہلے ہی دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے تو وضو کر کے طواف کو مکمل کرے۔

طواف کے دوران جائز امور

۱) سلام کرنا اور بوقت ضرورت بات کرنا۔

۲) مسائل شرعیہ بتانا اور دریافت کرنا۔

۲) ضرورت کے وقت طواف کو روکنا۔

۴) کسی عذر کی وجہ سے وہیل چیئر پر طواف کرنا۔

طواف کرنے کا طریقہ

مسجد حرام میں داخل ہو کر خانہ کعبہ کے اس گوشہ کے سامنے آ جائیں جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے اور طواف کی نیت کر لیں۔ اگر طواف کے بعد عمرہ کی سعی بھی کرنی ہے تو مرد حضرات اضطباع کر لیں (یعنی احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے کے اوپر ڈال لیں) اور پھر حجر اسود کا بوسہ لیں یا اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو حجر اسود کی طرف کر کے، بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چوم لیں اور پھر خانہ کعبہ کو بائیں طرف رکھ کر طواف شروع کر دیں۔ مرد حضرات پہلے تین چکر میں (اگر ممکن ہو) رمل کریں یعنی ذرا مونڈھے ہلا کے اور اکڑ کے چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ کسی قدر تیز چلیں۔ طواف کرتے وقت نگاہ سامنے رکھیں۔ خانہ کعبہ کی طرف سینہ اور پشت نہ کریں، یعنی کعبہ شریف آپ کے بائیں جانب رہے۔ طواف کے دوران بغیر ہاتھ اٹھائے چلتے چلتے دعائیں کرتے رہیں۔ آگے ایک نصف دائرے کی شکل کی چار پانچ فٹ کی دیوار آپ کے بائیں جانب آئے گی، اس کو حطیم کہتے ہیں، اس کے بعد خانہ کعبہ کے پیٹھ والی دیوار آئے گی، اس کے بعد جب خانہ کعبہ کا تیسرا

کونہ آ جائے جسے رکنِ یمانی کہتے ہیں (اگر ممکن ہو) تو دونوں ہاتھ یا صرف داہنا ہاتھ اس پر پھیریں، ورنہ اس کی طرف اشارہ کیے بغیر یوں ہی گزر جائیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان چلتے ہوئے یہ دعا بار بار پڑھیں: ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾۔ پھر حجر اسود کے سامنے پہنچ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر حجر اسود کا استلام کریں یا اس کا بوسہ لیں، اگر ممکن ہو۔ اس طرح آپ کا ایک چکر ہو گیا، اس کے بعد باقی چھ چکر بالکل اسی طرح کریں۔ کُل سات چکر مکمل کرنے ہیں۔

طواف سے متعلق چند متفرق مسائل

☆ طواف کے دوران کوئی مخصوص دعا ضروری نہیں ہے بلکہ جو چاہیں اور جس زبان میں چاہیں دعا مانگتے رہیں۔ یاد رکھیں کہ اصل دعا وہ ہے جو دھیان، توجہ اور انکساری سے مانگی جائے، چاہے جس مرضی زبان میں ہو۔ اگر طواف کے دوران کچھ بھی نہ پڑھیں بلکہ خاموش رہیں تب بھی طواف صحیح ہے۔

☆ طواف کے دوران جماعت کی نماز شروع ہونے لگے یا تھکن ہو جائے تو طواف روک دیں، پھر جہاں سے طواف بند کیا تھا، اسی جگہ سے طواف شروع کر دیں۔

☆ نفلی طواف میں رمل اور اضطباع نہیں ہوتا ہے۔

☆ اگر طواف کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو طواف روک دیں اور پھر وضو کر کے اسی جگہ سے طواف شروع کر دیں جہاں سے طواف بند کیا تھا کیونکہ بغیر وضو کے طواف کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ اگر طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو کم تعداد شمار کر کے باقی چکروں سے طواف مکمل کریں۔

☆ مسجد حرام کے اندر، اوپر یا نیچے یا مطاف میں کسی بھی جگہ طواف کر سکتے ہیں۔

☆ طواف حطیم کے باہر سے ہی کریں۔ اگر حطیم میں داخل ہو کر طواف کریں گے تو وہ معتبر نہیں ہوگا۔

☆ اگر کسی عورت کو طواف کے دوران حیض آ جائے تو وہ فوراً طواف بند کر کے مسجد حرام سے باہر چلی جائے۔

☆ خواتین طواف میں رمل (اکڑ کر چلنا) نہ کریں‘ یہ صرف مردوں کے لیے ہے۔

☆ طوافِ زیارت (حج کا طواف) کا وقت ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب تک ہے۔ بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ تک وقت تحریر کیا ہے۔ ان ایام میں اگر کسی عورت کو ماہواری آتی رہی تو وہ طوافِ زیارت نہ کرے‘ بلکہ پاک ہونے کے بعد ہی کرے۔

دو رکعت نماز: طواف سے فراغت کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس آئیں۔ اُس وقت آپ کی زبان پر یہ آیت ہو تو بہتر ہے: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی﴾۔ اگر سہولت سے مقامِ ابراہیم کے پیچھے جگہ مل جائے تو وہاں‘ ورنہ مسجد حرام میں کسی بھی جگہ طواف کی دو رکعت (واجب) ادا کریں۔ اس بارے میں چند وضاحتیں نوٹ کرلیں:

☆ طواف کی دو رکعت کو طواف سے فارغ ہوتے ہی ادا کریں‘ لیکن اگر تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

☆ طواف کی ان دو رکعت کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھی جائے۔

☆ ہجوم کے دوران مقامِ ابراہیم کے پاس طواف کی دو رکعت نماز پڑھنے کی کوشش نہ کریں‘ کیونکہ اس سے طواف کرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے‘ بلکہ مسجد حرام میں کسی بھی جگہ ادا کرلیں۔

سعی

صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگانے کو ’سعی‘ کہا جاتا ہے۔ سعی کی ابتدا صفا سے اور انتہا مروہ پر ہوتی ہے۔ حجر اسود کے سامنے سے ہی صفا کے لیے راستہ جاتا ہے۔ طواف سے فراغت کے بعد زمزم کا پانی پی کر صفا پہاڑی پر چلے جائیں۔ صفا و مروہ دو پہاڑیاں تھیں‘ جو ان دنوں حجاج کرام کی سہولت کے لیے تقریباً ختم کر دی گئیں ہیں‘ جن کے درمیان حضرت ہاجرہ سلام علیہا نے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تھے۔ جس جگہ مرد حضرات تھوڑا تیز چلتے ہیں‘ یہ اُس زمانہ میں صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان ایک وادی تھی جہاں سے ان کا بیٹا نظر نہیں آتا تھا‘ لہٰذا وہ اس وادی میں تھوڑا تیز دوڑی تھیں۔ حضرت ہاجرہ سلام علیہا کی اس عظیم قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر قیامت تک آنے

والے تمام مرد حاجیوں کو اس جگہ تھوڑا تیز چلنے کی تعلیم دی‘ لیکن شریعت اسلامیہ نے صنف نازک کے جسم کی نزاکت کے مدنظر اس کو صرف مردوں کے لیے سنت قرار دیا۔ سعی کا ہر چکر تقریباً ۳۹۵ میٹر لمبا ہے‘ یعنی سات چکر کی مسافت تقریباً پونے تین کلومیٹر بنتی ہے۔ نیچے کی منزل کے مقابلہ میں اوپر والی منزل پر اژدحام کچھ کم رہتا ہے۔

حج میں ضروری سعی کی تعداد

حجِ اِفراد میں ایک عدد (صرف حج کی)۔

حجِ قِران میں دو عدد (ایک عمرہ کی اور ایک حج کی)۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ حج قران میں ایک سعی بھی کافی ہے۔

حجِ تمتع میں دو عدد (ایک عمرہ کی اور ایک حج کی)۔

نفلی سعی: نفلی سعی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

سعی کے بعض احکام

۱) سعی سے پہلے طواف کا ہونا۔

۲) صفا سے سعی کی ابتدا کر کے مروہ پر سات چکر پورے کرنا۔

۳) صفا پہاڑی پر تھوڑا چڑھ کر‘ قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعائیں کرنا۔

۴) مَردوں کا سبز ستونوں کے درمیان تھوڑا تیز تیز چلنا۔

۵) مروہ پہاڑی پر پہنچ کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعائیں مانگنا۔

۶) صفا اور مروہ کے درمیان چلتے چلتے کوئی بھی دعا بغیر ہاتھ اٹھائے مانگنا یا اللہ کا ذکر کرنا یا قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔

سعی کے دوران جائز امور

۱) بلاوضو سعی کرنا‘ اسی طرح خواتین کا حالت ماہواری میں سعی کرنا۔

۲) سلام کرنا اور گفتگو کرنا۔

۳) ضرورت پڑنے پر سعی کا سلسلہ بند کرنا۔

۴) کسی عذر کی وجہ سے وہیل چیئر پر سعی کرنا۔

سعی کرنے کا طریقہ

صفا پر پہنچ کر بہتر ہے کہ زبان سے کہیں: اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ، اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۔ پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے دعا کی طرح ہاتھ اٹھالیں اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہیں‘ اور اگر یہ دعا یاد ہو تو اسے بھی تین بار پڑھیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

اس کے بعد کھڑے ہو کر خوب دعائیں مانگیں۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا خاص مقام اور خاص وقت ہے۔ دعاؤں سے فارغ ہو کر نیچے اتر کر مروہ کی طرف عام چال سے چلیں۔ بغیر ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگتے رہیں یا قرآن کی تلاوت کرتے رہیں۔ سعی کے دوران بھی کوئی خاص دعا لازم نہیں‘ البتہ اس دعا کو خاص طور پر پڑھتے رہیں: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ، وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔ جب سبز ستون (جہاں ہری ٹیوب لائٹیں لگی ہوئی ہیں) کے قریب پہنچیں تو مرد حضرات ذرا دوڑ کر چلیں۔ اس کے بعد پھر ایسے ہی ہرے ستون اور نظر آئیں گے‘ وہاں پہنچ کر دوڑنا ختم کر دیں اور عام چال سے چلیں۔ مروہ پر پہنچ کر قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگیں۔ یہ سعی کا ایک چکر ہو گیا۔ اسی طرح مروہ سے صفا کی طرف چلیں۔ یہ دوسرا چکر ہو جائے گا۔ اس طرح آخری و ساتواں چکر مروہ پر ختم ہو گا۔ ہر مرتبہ صفا اور مروہ پر پہنچ کر خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے دعائیں کرنی چاہئیں۔

سعی سے متعلق چند مسائل

☆ سعی کے لیے وضو کا ہونا ضروری نہیں البتہ افضل و بہتر ہے۔ حیض (ماہواری) اور نفاس کی حالت میں بھی سعی کی جا سکتی ہے‘ یعنی اگر کسی عورت کو طواف سے فراغت کے بعد ماہواری آ جائے تو وہ سعی ناپاکی کی حالت میں کر سکتی ہے‘ لیکن اس کو چاہیے کہ وہ سعی سے فراغت کے بعد مروہ کی جانب سے باہر چلی جائے‘ مسجد حرام میں داخل نہ ہو۔ البتہ طواف حیض یا نفاس کی حالت میں ہرگز نہ کرے‘ بلکہ مسجد حرام میں بھی داخل نہ ہو۔

☆ طواف سے فارغ ہو کر اگر سعی کرنے میں تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

☆ سعی کا طواف کے بعد ہونا شرط ہے اور طواف کے بغیر کوئی سعی معتبر نہیں‘ خواہ عمرہ کی سعی ہو یا حج کی۔

☆ سعی کے دوران نماز شروع ہونے لگے یا تھک جائیں تو سعی روک دیں اور پھر جہاں سے سعی روکی تھی‘ اسی جگہ سے دوبارہ شروع کر دیں۔

☆ اگر سعی کے چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو کم تعداد شمار کر کے باقی چکروں سے سعی مکمل کریں۔

☆ خواتین سعی میں سبز ستونوں (جہاں ہری ٹیوب لائٹیں لگی ہوئی ہیں) کے درمیان مَردوں کی طرح دوڑ کر نہ چلیں۔

حُجّاج کرام کی بعض غلطیاں

حج ایسی عبادت ہے جو زندگی میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت پر فرض ہے‘ اگرچہ ایک سے زیادہ مرتبہ حج کی ادائیگی کی ترغیب حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں واضح طور پر ملتی ہیں۔ انسان کو اپنی زندگی میں بار بار حج کرنے کی توفیق عام طور پر نہیں ملتی۔ حج کے مسائل کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ حج کی ادائیگی کے بغیر ان کا سمجھنا بظاہر مشکل ہے‘ نیز پہلے سے خاطر خواہ تیاری نہ ہونے کی وجہ سے بھی عام حاجی اپنے حج کی ادائیگی میں غلطیاں کرتا ہے۔ بعض غلطیاں حج کے صحیح نہ ہونے یا دم کے واجب ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ لہٰذا عازمین حج کو چاہیے کہ وہ حجاج کرام سے سرزد ہونے والی مندرجہ ذیل غلطیوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تاکہ حج کی ادائیگی صحیح طریقہ پر ہو اور ان کا حج حج مبرور بنے جس کا بدلہ جنت الفردوس ہے۔

۱) **حج کے اخراجات میں حرام مال کا استعمال کرنا:** حج اور عمرہ کے لیے صرف پاکیزہ حلال کمائی میں سے خرچ کرنا چاہیے‘ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ’’اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے‘‘۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب آدمی حج کے لیے رزقِ حلال لے کر نکلتا ہے اور اپنا پاؤں سواری کے رکاب میں رکھ کر (یعنی سواری پر سوار ہو کر) لبیک کہتا ہے تو اس کو آسمان سے پکارنے والے جواب دیتے ہیں: تیری لبیک قبول ہو اور رحمتِ الٰہی تجھ پر نازل ہو‘ تیرا سفر خرچ حلال اور تیری سواری

حلال اور تیرا حج مقبول ہے اور تو گناہوں سے پاک ہے۔ اور جب آدمی حرام کمائی کے ساتھ حج کے لیے نکلتا ہے اور سواری کے رکاب پر پاؤں رکھ کر لبیک کہتا ہے تو آسمان کے منادی جواب دیتے ہیں: تیری لبیک قبول نہیں‘ نہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو‘ تیرا سفرخرچ حرام‘ تیری کمائی حرام اور تیرا حج غیر مقبول ہے۔‘‘ (طبرانی)

ہمیشہ ہمیں حلال رزق پر ہی اکتفا کرنا چاہیے خواہ بظاہر کم ہی کیوں نہ ہو۔ حرام رزق کے تمام وسائل سے ہمیشہ بچنا چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’حرام مال سے جسم کی بڑھوتری نہ کرو کیونکہ اس سے بہتر آگ ہے‘‘۔ (سنن ترمذی)

۲) <u>حج کے سفر سے قبل حج کے مسائل کو دریافت نہ کرنا:</u> عازمین حج کو چاہیے کہ وہ حج کی ادائیگی پر جانے سے قبل علماءِ کرام سے رجوع فرما کر مسائل حج کو اچھی طرح ذہن نشین کریں۔

۳) بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ اگر کسی نے عمرہ کیا تو اس پر حج فرض ہو گیا‘ یہ غلط ہے۔ اگر وہ صاحب استطاعت نہیں ہے یعنی اگر اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ وہ حج ادا کر سکے تو اس پر عمرہ کی ادائیگی کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ عمرہ حج کے مہینوں میں ادا کیا جائے پھر بھی عمرہ کی ادائیگی کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوگا۔

۴) اپنی طرف سے حج کیے بغیر دوسرے کی جانب سے حج بدل کرنا۔

۵) سفرِ حج کے دوران نمازوں کا اہتمام نہ کرنا۔ یاد رکھیں کہ اگر غفلت کی وجہ سے ایک وقت کی نماز بھی فوت ہوگئی تو مسجد حرام کے ایک سو نوافل سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ نیز جو لوگ نماز کا اہتمام نہیں کرتے وہ حج کی برکات سے محروم رہتے ہیں اور ان کا حج مقبول نہیں ہوتا۔

۶) حج کے اس عظیم سفر کے دوران لڑنا‘ جھگڑنا حتیٰ کہ کسی پر غصہ ہونا بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۹۷)

’’حج کے چند مہینے مقرر ہیں‘ اس لیے جو شخص ان میں حج کو لازم کر لے وہ اپنی بیوی سے میل میلاپ کرنے‘ گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے۔‘‘

نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جس نے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق و فجور سے

بچا‘ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔‘‘ (صحیح بخاری و مسلم)

۷) بڑی غلطیوں میں سے ایک بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ جانا ہے۔ لہٰذا ہوائی جہاز پر سوار ہونے والے حضرات ایئرپورٹ پر ہی احرام باندھ لیں یا احرام لے کر ہوائی جہاز میں سوار ہو جائیں اور میقات سے پہلے پہلے باندھ لیں۔

۸) بعض حضرات شروع ہی سے اضطباع (یعنی داہنی بغل کے نیچے سے احرام کی چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) کرتے ہیں‘ یہ غلط ہے‘ بلکہ صرف طواف کے دوران اضطباع کرنا سنت ہے۔ لہٰذا دونوں بازوؤں کو ڈھانک کر ہی نماز پڑھیں۔

۹) بعض حجاج کرام حجر اسود کا بوسہ لینے کے لیے دیگر حضرات کو تکلیف دیتے ہیں‘ حالانکہ بوسہ لینا صرف سنت ہے‘ جبکہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خاص طور سے تاکید فرمائی تھی کہ دیکھو تم قوی آدمی ہو‘ لہٰذا حجر اسود کے استلام کے وقت لوگوں سے مزاحمت نہ کرنا۔ اگر جگہ ہو تو بوسہ لینا ورنہ صرف استقبال کر کے تکبیر و تہلیل کہہ لینا۔

۱۰) حجر اسود کا استلام کرنے کے علاوہ طواف کرتے ہوئے خانہ کعبہ کی طرف چہرہ یا پشت کرنا غلط ہے‘ لہٰذا طواف کے وقت آپ کا چہرہ سامنے ہو اور کعبہ آپ کے بائیں جانب ہو۔ اگر طواف کے دوران آپ کا چہرہ کعبہ کی طرف ہو جائے تو اس پر دم لازم نہیں ہوگا‘ لیکن قصداً ایسا نہ کریں۔

۱۱) بعض حضرات حجر اسود کے علاوہ خانہ کعبہ کے دیگر حصوں کا بھی بوسہ لیتے ہیں اور چھوتے ہیں جو غلط ہے‘ بلکہ بوسہ صرف حجر اسود یا خانہ کعبہ کے دروازے کا لیا جاتا ہے۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے علاوہ کعبہ کے کسی حصہ کو بھی طواف کے دوران نہ چھوئیں‘ البتہ طواف اور نماز سے فراغت کے بعد ملتزم پر جا کر اس سے چمٹ کر دعائیں مانگنا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔

۱۲) رکن یمانی کا بوسہ لینا یا دور سے اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا غلط ہے‘ بلکہ طواف کے دوران اس کو صرف ہاتھ لگانے کا حکم ہے‘ وہ بھی اگر سہولت سے کسی کو تکلیف دیے بغیر ممکن ہو۔

۱۳) بعض حضرات مقامِ ابراہیم کا استلام کرتے ہیں اور اس کا بوسہ لیتے ہیں۔ علامہ نوویؒ نے ’’ایضاح‘‘ اور ابن حجر مکیؒ نے ’’توضیح‘‘ میں فرمایا ہے کہ مقامِ ابراہیم کا نہ استلام کیا جائے اور نہ

اس کا بوسہ لیا جائے‘ یہ مکروہ ہے۔

۱۴) بعض حضرات طواف کے دوران حجر اسود کے سامنے دیر تک کھڑے رہتے ہیں‘ ایسا کرنا غلط ہے‘ کیونکہ اس سے طواف کرنے والوں کو پریشانی ہوتی ہے۔ صرف تھوڑا رک کر اشارہ کریں اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر آگے بڑھ جائیں۔

۱۵) بعض حجاج کرام طواف کے دوران اگر غلطی سے حجر اسود کے سامنے سے اشارہ کیے بغیر گزر جائیں تو وہ حجر اسود کے سامنے دوبارہ واپس آنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں جس سے طواف کرنے والوں کو بے حد پریشانی ہوتی ہے‘ اس لیے اگر کبھی ایسا ہو جائے اور ازدحام زیادہ ہو تو دوبارہ واپس آنے کی کوشش نہ کریں‘ کیونکہ طواف کے ہر چکر کے دوران حجر اسود کا بوسہ لینا یا اس کی طرف اشارہ کرنا سنت ہے‘ واجب نہیں۔

۱۶) طواف کے دوران رکن یمانی کو چھونے کے بعد (حجر اسود کی طرح) ہاتھ کو بوسہ دینا غلط ہے۔

۱۷) طواف اور سعی کے ہر چکر کے لیے مخصوص دعا کو ضروری سمجھنا غلط ہے‘ بلکہ جو چاہیں اور جس زبان میں چاہیں دعا کریں۔

۱۸) ازدحام کے وقت حجاج کرام کو تکلیف دے کر مقامِ ابراہیم کے قریب ہی طواف کی دو رکعات ادا کرنے کی کوشش کرنا غلط ہے‘ بلکہ مسجد حرام میں جہاں جگہ مل جائے یہ دو رکعات ادا کرلیں۔

۱۹) طواف اور سعی کے دوران چند حضرات کا آواز کے ساتھ دعا کرنا صحیح نہیں ہے‘ کیونکہ اس سے دوسرے طواف اور سعی کرنے والوں کی دعاؤں میں خلل پڑتا ہے۔

۲۰) بعض حضرات کو جب طواف یا سعی کے چکروں میں شک ہو جاتا ہے تو وہ دوبارہ طواف یا سعی کرتے ہیں‘ یہ غلط ہے‘ بلکہ کم عدد تسلیم کر کے باقی طواف یا سعی کے چکر پورے کریں۔

۲۱) بعض حضرات صفا اور مروہ پر پہنچ کر خانہ کعبہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں‘ ایسا کرنا غلط ہے‘ بلکہ دعا کی طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر دعائیں کریں‘ ہاتھ سے اشارہ نہ کریں۔

۲۲) بعض حضرات نفلی سعی کرتے ہیں‘ جبکہ نفلی سعی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

۲۳) بعض حجاج کرام عرفات میں جبل رحمت پر چڑھ کر دعائیں مانگتے ہیں‘ حالانکہ پہاڑ پر چڑھنے کی کوئی فضیلت نہیں ہے‘ بلکہ اس کے نیچے یا عرفات کے میدان میں کسی بھی جگہ کھڑے

ہو کر خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعائیں کریں۔

۲۴) عرفات میں جبل رحمت کی طرف رخ کر کے اور کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے دعائیں مانگنا غلط ہے‘ بلکہ دعا کے وقت خانہ کعبہ کی طرف رخ کریں خواہ جبلِ رحمت پیچھے ہو یا سامنے۔

۲۵) عرفات سے مزدلفہ جاتے ہوئے راستہ میں صرف مغرب یا مغرب اور عشاء دونوں کا پڑھنا صحیح نہیں ہے‘ بلکہ مزدلفہ پہنچ کر ہی عشاء کے وقت میں دونوں نمازیں ادا کریں۔

۲۶) بعض حضرات عرفات سے نکل کر مزدلفہ کے میدان آنے سے قبل ہی مزدلفہ سمجھ کر رات کا قیام کر لیتے ہیں‘ جس سے ان پر دم بھی واجب ہو سکتا ہے‘ لہٰذا مزدلفہ کی حدود میں داخل ہو کر ہی قیام کریں۔

۲۸) مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے ہی کنکریاں اٹھانا صحیح نہیں ہے‘ بلکہ مزدلفہ پہنچ کر سب سے پہلے عشاء کے وقت میں دونوں نمازیں ادا کریں۔

۲۹) بہت سے حجاج کرام مزدلفہ میں ۱۰ ذی الحجہ کی فجر کی نماز پڑھنے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور قبلہ رخ ہونے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے جس سے فجر کی نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا فجر کی نماز وقت داخل ہونے کے بعد ہی پڑھیں‘ نیز قبلہ کا رخ واقف حضرات سے معلوم کریں۔

۳۰) مزدلفہ میں فجر کی نماز کے بعد عرفات کے میدان کی طرح ہاتھ اٹھا کر قبلہ رخ ہو کر خوب دعائیں مانگی جاتی ہیں‘ مگر اکثر حجاج کرام اس اہم وقت کے وقوف کو چھوڑ دیتے ہیں۔

۳۱) بعض حضرات وقت سے پہلے ہی کنکریاں مارنا شروع کر دیتے ہیں‘ حالانکہ رمی کے اوقات سے پہلے کنکریاں مارنا جائز نہیں ہے۔ پہلے دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد سے کنکریاں ماری جا سکتی ہیں‘ بعض فقہاء نے صبح صادق کے بعد سے کنکریاں مارنے کی اجازت دی ہے‘ مگر ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب یعنی ظہر کی اذان کے بعد ہی کنکریاں ماری جا سکتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے قبل کنکریاں نہ مار سکا تو ہر دن کی کنکریاں اُس دن کے بعد آنے والی رات میں بھی مار سکتا ہے۔

۳۲) بعض لوگ کنکریاں مارتے وقت یہ سمجھتے ہیں کہ اس جگہ شیطان ہے‘ اس لیے کبھی کبھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس کو گالی بکتے ہیں اور جوتا وغیرہ بھی مار دیتے ہیں۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں‘ بلکہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں ماری جاتی ہیں۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام جب اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے تو شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انہی تین مقامات پر بہکانے کی کوشش کی‘ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تینوں مقامات پر شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

(۳۳) بعض خواتین صرف بھیڑ کی وجہ سے خود رمی نہیں کرتیں بلکہ ان کے محرم ان کی طرف سے بھی کنکریاں مار دیتے ہیں۔ ایسا کرنے والوں پر دم واجب ہوگا‘ کیونکہ صرف بھیڑ عذر شرعی نہیں ہے اور بلا عذر شرعی کسی دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں ہے۔ عورتیں اگر دن میں کنکریاں مارنے نہیں جاسکتی ہیں تو وہ رات میں جا کر کنکریاں ماریں۔ ہاں اگر کوئی عورت بیمار یا بہت زیادہ کمزور ہے کہ وہ جمرات جا ہی نہیں سکتی تو اس کی جانب سے کوئی دوسرا شخص رمی کر سکتا ہے۔

(۳۴) بعض حضرات ۱۱‘ ۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کو پہلے جمرہ اور بیچ والے جمرہ پر کنکریاں مارنے کے بعد دعائیں نہیں کرتے‘ یہ سنت کے خلاف ہے‘ لہٰذا پہلے اور بیچ والے جمرہ پر کنکریاں مار کر ذرا دائیں یا بائیں جانب ہٹ کر خوب دعائیں کریں۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کے خاص اوقات ہیں۔

(۳۵) بعض لوگ ۱۲ ذی الحجہ کی صبح کو منیٰ سے مکہ طوافِ وداع کرنے کے لیے جاتے ہیں اور پھر منیٰ واپس آکر آج کی کنکریاں زوال کے بعد مارتے ہیں اور یہیں سے اپنے شہر کو سفر کر جاتے ہیں۔ یہ غلط ہے‘ کیونکہ آج کی کنکریاں مارنے کے بعد ہی طوافِ وداع کرنا چاہیے۔

حاجیوں کے لیے ہیلپ لائن اور موبائل ایپ

عازمین حج مسائل حج معلوم کرنے کے لیے متعدد کتابوں کے مصنف مولانا ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی‘ مقیم حال ریاض (00966-508237446) سے رجوع کر سکتے ہیں۔ موصوف کی تین زبانوں میں دنیا کی پہلی حج موبائل ایپ (Hajj-e-Mabroor) کو اپنے موبائل میں مفت ڈاؤن لوڈ کرنے کے بعد اس سے ہر جگہ انٹرنیٹ کے بغیر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس موبائل ایپ کے بعد عازمین حج کے لیے کتابوں کو ساتھ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پاک و ہند کے مشاہیر علماء اور مستند دینی اداروں نے اس ایپ کی تائید میں خطوط تحریر فرما کر عازمین حج سے اس ایپ سے فائدہ اٹھانے کی اپیل کی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام عازمین حج کے حج کو مقبول و مبرور بنائے‘ آمین!

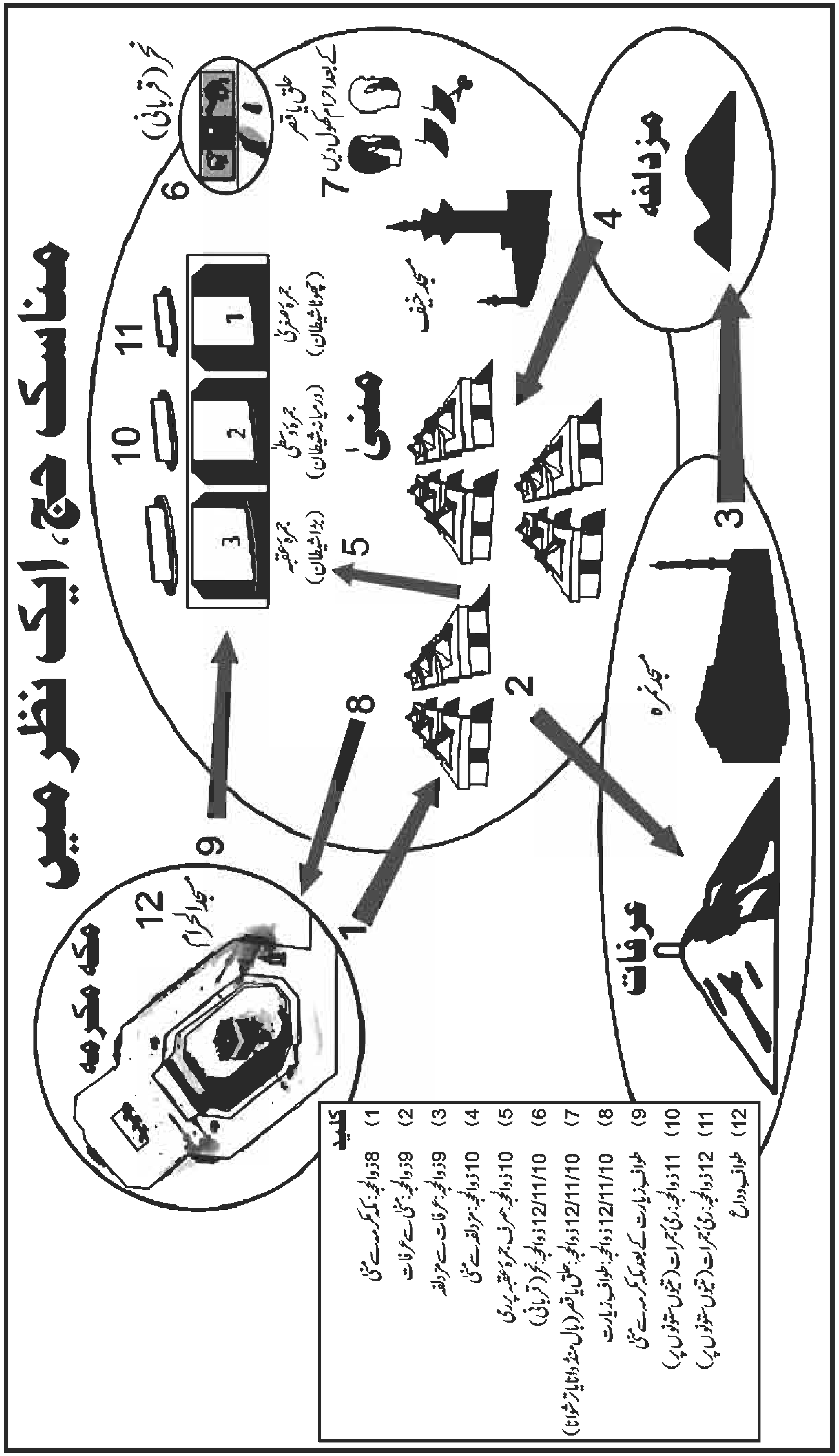

پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ!

محمد ندیم اعوان☆

یہ ایک نا قابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ قیامِ پاکستان کی تحریک کے دوران مسلمانوں میں جس نعرے نے جوش وخروش پیدا کیا وہ یہی تھا کہ ’’پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ‘‘۔ بانیٔ پاکستان نے قیامِ پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد بھی متعدد مواقع پر قیامِ پاکستان کے مقاصد کو نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کیا‘ لیکن پاکستان کا سیکولر طبقہ بالکل مختلف جارحانہ استدلالات سے نظریاتی بنیادوں کو کمزور اور منفی پراپیگنڈا سے پاکستان کے حقیقی وژن کو غبار آلود کرنے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے اور اس بات کا بھی مسلسل ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ آج کا پاکستان وہ نہیں ہے جو جناح چاہتے تھے اور یہ محض انتہا پسند ملاؤں کی اختراع ہے۔ اس بات کو بعض سادہ لوح علماء نے بھی قبول کر لیا کہ قائداعظم محض ایک سیاسی رہنما تھے اور ان کے پیشِ نظر کوئی اسلامی نظریہ نہیں تھا۔

سیکولر طبقہ اور ان کے پیشِ نظر اقوالِ قائد

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی تشخص اور اسلامی روح سے الرجک‘ سیکولر لابیوں اور این جی اوز کی غذا سے پروردہ اس طبقہ کی مسلسل یہ کوشش اور کاوش ہے کہ اس ملک سے اسلام‘ دین‘ مذہب‘ شریعت‘ ان کے حاملین ومحبّین کے ساتھ ساتھ محافظینِ پاکستان‘ جغرافیائی اور نظریاتی اعتبار سے مستحکم پاکستان کے نظریہ سے متصف ملک اور قوم سے محبت رکھنے والوں کو دیس نکالا دے دیا جائے یا کم از کم اُنہیں اتنا کمزور اور بے وقعت کر دیا جائے کہ ان کی آواز اور شناخت دَب کر رہ جائے۔

پاکستان کا یہ سیکولر طبقہ حسنِ اتفاق سے مسلمان گھرانوں میں پیدا تو ہو گیا ہے مگر وہ اس

☆nts143043@gmail.com

’’اتفاقی حادثہ‘‘ یا ’’بدقسمتی‘‘ کے متعلق شدید ندامت اور خجالت کا شکار ہے۔ یہ لوگ ’’روشن خیالی‘‘ کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے ہیں جہاں اسلام سے کسی قسم کی وابستگی انہیں رجعت پسندی کا مظہر دکھائی دیتی ہے اور اپنی اسلامی شناخت کے اعتراف پر انہیں شرمندگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ ان کے بیانات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو بلاشبہ وہ فکری ارتداد کے مرتکب ہو چکے ہیں‘ مگر ان کے اندر اس قدر اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ کھلم کھلا اپنے فکری ارتداد کا اعلان کر سکیں۔ وہ ایک عجیب فکری گھٹن اور مخمصے میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بظاہر اپنے مسلمان ہونے کے دعوے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے مگر اسلام کو ضابطہ حیات کے طور پر قبول کرنے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ وہ اسلام کی کھل کر تو مخالفت نہیں کر سکتے‘ کیونکہ پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں حریتِ فکر کے مغربی معیارات کو ابھی تک قبولیت نہیں مل سکی‘ البتہ اپنی دانشورانہ فریب کاری کے پردے میں وہ اسلام کی مخالفت کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

آج کل ان کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ قائداعظم ایک سیکولر ریاست قائم کرنا چاہتے تھے‘ نہ کہ اسلامی اور مذہبی ریاست۔ وہ نظریہ پاکستان کی نفی کر کے بالواسطہ اسلام کی نفی کر رہے ہیں‘ کیونکہ نظریۂ پاکستان کا دوسرا نام ’’اسلام‘‘ ہے۔ یہ سیکولر طبقہ اپنے جھوٹے دعووں کو ثابت کرنے کے لیے بابائے قوم کے چند ایک بیانات اور اقتباسات کو پیش کرتا ہے‘ جو درج ذیل ہیں:

☆ ۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

’’آپ ہندوؤں اور سکھوں کو بتا دیں کہ یہ بات سراسر غلط ہے کہ پاکستان کوئی مذہبی ریاست ہوگی اور اس میں غیر مسلموں کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔‘‘

☆ ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب میں فرمایا:

’’آپ کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو سکتا ہے‘ کسی بھی نسل اور کسی بھی عقیدے کے ساتھ ہو سکتا ہے‘ یہ صرف اور صرف آپ کا ذاتی معاملہ ہے‘ ریاست پاکستان کا ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ تاریخ میں عقائد اور مذاہب کی بنیاد پر امتیاز روا رکھا جاتا رہا ہے۔ برطانیہ میں صورتِ حال بہت ابتر رہی ہے‘ جہاں فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ایک دوسرے پر بہت مظالم ڈھائے ہیں‘ حتیٰ کہ آج بھی کچھ ریاستیں موجود ہیں جہاں ذات پات کا امتیاز موجود ہے‘ لیکن میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ ہم اس تاریک دور میں آغاز نہیں کر رہے‘ بلکہ ہم تو ایک ایسے عہد میں اپنے

ملک کی بنیاد رکھ رہے ہیں جس میں ذات پات‘ برادریوں‘ مذاہب اور عقائد کے درمیان کوئی فرق‘ کوئی امتیاز اور کوئی دوری نہیں ہے۔ ہم ایک ایسے یقین اور بنیادی اصول سے اپنی جدوجہد کا آغاز کر رہے ہیں جس کے مطابق پاکستانی شہری ہونے کی حیثیت سے ہم سب برابر ہیں۔ ہم سب ایک قوم ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں اس راہنما اصول کو اپنا لینا چاہیے کہ ہم میں سے کوئی مسلمان نہیں اور نہ کوئی ہندو ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے درمیان تمام تفرقات کا خاتمہ ہو جائے گا‘ اکثریت اور اقلیت کی تقسیم بے معنی ہو جائے گی‘ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پایا جانے والا فرق ختم ہو جائے گا‘ کیونکہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی آپ کے درمیان پٹھان‘ پنجابی‘ شیعہ اور سُنّی کی تقسیم موجود ہے اور اسی طرح ہندو بھی برہمن‘ کھشتری‘ بنگالی‘ مدراسی وغیرہ کے خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان سب کے درمیان پایا جانے والا فرق مٹ جائے گا۔

میرے خیال میں عقیدے‘ رنگ و نسل کی بنیاد پر کی جانے والی تفریق بھارت کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو ہم کب کے آزاد ہو چکے ہوتے۔ ہمیں اپنے ماضی سے سبق سیکھنا ہوگا۔ آپ آزاد ہیں۔ آپ پاکستانی ریاست کے آزاد شہری ہیں۔ آپ کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ آپ کو اپنے مندروں میں جانے کی آزادی حاصل ہے۔ آپ کو اپنی مساجد میں جانے کی آزادی حاصل ہے۔ پاکستانی ریاست کے تمام شہریوں کو ان کے مذاہب اور عقیدوں کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں جانے کی آزادی حاصل ہے۔ میں ایسا مذہبی بنیادوں پر نہیں کہہ رہا ہوں کیونکہ مذہب تو ہر شخص کا انفرادی معاملہ ہے‘ لیکن ہم سب لوگوں کے درمیان سیاسی طور پر مذاہب اور عقائد کا فرق ختم ہو جانا چاہیے۔‘‘

(قائداعظم‘ تقاریر و بیانات‘ ترجمہ اقبال احمد صدیقی‘ بزمِ اقبال‘ لاہور‘ جلد چہارم‘ ۱۹۴۶ء۔ ۱۹۴۷ء‘ ص ۳۶۰)

☆ یکم فروری ۱۹۴۸ء کو امریکی عوام سے ریڈیو خطاب میں قائداعظم نے کہا:

’’پاکستان ایک ایسی مذہبی ریاست نہیں بنے گا جس میں مذہب کے نام پر حکومت کرنے کا اختیار ہوگا۔ ہمارے ملک میں بہت سے غیر مسلم شہری موجود ہیں‘ مثلاً ہندو‘ مسیحی اور پارسی وغیرہ‘ لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ انہیں وہی حقوق اور مراعات حاصل ہوں گی جو دیگر شہریوں کو دیے جائیں گے اور انہیں پاکستان کے امورِ مملکت میں اپنا کردار ادا کرنے کا پورا موقع ملے گا۔‘‘

جوابات اور حقائق

یہ وہ اقتباسات ہیں جن کی بنیاد پر قائداعظم کی ایک اسلامی ریاست کے لیے دس سالہ جدوجہد پر مبنی تمام ارشادات کی نفی کی جاتی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے چند ماہ قبل اور چند ماہ بعد تک ان سے بار بار اقلیتوں کے مستقبل کے بارے میں سوالات پوچھے جاتے رہے جس کی وہ بار بار وضاحت کرتے رہے۔ اس دور میں قائداعظم نے جو تقاریر کیں یا بیانات دیے ان کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ اس مسئلے کے تناظر میں کرنا چاہیے۔

اس ضمن میں قائداعظم کے خیالات سمجھنے کے لیے ان کی اس پریس کانفرنس کا حوالہ دینا ضروری ہے جو انہوں نے پاکستان کا گورنر جنرل نامزد ہونے کے بعد ۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو نئی دہلی میں کی۔ اقلیتوں کے ضمن میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

’’میں اب تک بار بار جو کچھ کہتا رہا ہوں اس پر قائم ہوں‘ ہر اقلیت کو تحفظ دیا جائے گا۔ ان کی مذہبی رسومات میں دخل نہیں دیا جائے گا اور ان کے مذہب‘ اعتقاد‘ جان و مال اور کلچر کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ وہ ہر لحاظ سے پاکستان کے برابر کے شہری ہوں گے۔‘‘

اسی پریس کانفرنس میں جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا پاکستان ایک مذہبی ریاست ہوگی؟ تو قائداعظم نے کہا:

’’آپ مجھ سے ایک فضول سوال پوچھ رہے ہیں۔ گویا میں اب تک جو کچھ کہتا رہا ہوں وہ رائیگاں گیا ہے۔ آپ جب جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال قبل سیکھ لی تھی۔‘‘

(بحوالہ جناح: تقریریں اور بیانات ۴۸۔۱۹۴۷ء از ایس ایم برک‘ مطبوعہ آکسفورڈ پریس‘ صفحات ۱۲ تا ۱۶)

گیارہ اگست ۱۹۴۷ء اور اس جیسے دیگر تقاریر و بیانات سے قائداعظم کا مقصد غیر مسلم اقلیتوں کو اس امر کا اطمینان دلانا ہے کہ تمام غیر مسلم اقلیتوں کو اس نئی اسلامی ریاست میں عقیدہ و عبادات اور معاشرتی و مذہبی رسوم و رواج کی ادائیگی کی پوری آزادی ہوگی‘ نیز پاکستان میں کسی کو مذہبی جبر کا اختیار نہ ہوگا۔ قائداعظم جانتے تھے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے ملک میں قانون سازی اسلامی اقدار کو سامنے رکھ کر ہی کی جائے گی۔ یہ بات سراسر انصاف کے منافی ہے کہ ایک جملے یا اقتباس کو لے کر بابائے قوم کے دس سالہ تمام فرمودات اور اعلانات کی نفی کر دی جائے۔

قائداعظم کے بارے میں اس بات کو تو دوست دشمن سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوہرے کردار کے حامل سیاستدان نہ تھے۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے محض لوگوں کے جذبات کو اپیل کرنے کے لیے اسلام کا نام لیا' بہت بڑی جسارت ہے۔ ۱۱/اگست کی تقریر کے بارے میں انگلینڈ کی ''سلینا کریم'' جو کوئی مذہبی شخصیت نہیں تھیں' نے اپنی تصنیف میں قائداعظم کے سوانح نگار ''ہیکٹر بولیتھو'' کی تصنیف "Jinnah:Creator of Pakistan" کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس تقریر میں الفاظ تو قائداعظم کے ہیں مگر روح انہوں نے پیغمبر اسلام (ﷺ) کے خطبہ حجۃ الوداع سے اخذ کی ہے۔

پاکستان ایک اسلامی ریاست: اقوالِ قائد کی روشنی میں

ذیل میں ہم قائداعظم کے اُن ارشادات کو پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ قائداعظم پاکستان کو نہ صرف اسلامی ریاست بنانے کے قائل تھے' بلکہ وہ پاکستان کو اسلامی تعلیمات کے لیے ایک تجربہ گاہ کے طور پر حاصل کرنا چاہتے تھے۔

یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو قائداعظم نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

''بہت سے لوگ ہمیں غلط سمجھتے ہیں جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں' بالخصوص ہمارے ہندو دوست۔ جب ہم کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا پرچم ہے' تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سیاست میں مذہب کو داخل کر رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس پر ہمیں فخر ہے۔''

قائداعظم کے بارے میں عمومی تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وہ مغربی جمہوریت کے دل دادہ تھے' حالانکہ جمہوریت پسند ہونے کے باوجود وہ مغربی جمہوریت سے سو فی صد متفق نہ تھے۔ ۱۱/نومبر ۱۹۳۹ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ان کا ایک بیان نشر ہوا جو مغربی جمہوریت کی بجائے اسلامی مساوات اور آزادیٔ اظہار کی تائید ہے۔ آپ نے فرمایا:

''جمہوریت تخیل اور عمل کے اعتبار سے مختلف ہے۔ جمہوریت گرگٹ کی مانند ہے' جو ماحول کے مطابق اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ انگلستان میں جمہوریت اس وضع کی نہیں ہے جیسی کہ فرانس اور امریکا میں ہے۔ اسلام مساوات' آزادی اور اخوت کا قائل ہے' لیکن مغربی طرز کی جمہوریت کا نہیں۔''

۱۵ نومبر ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا؟ پاکستان کے طرزِ حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوتا ہوں! مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔ الحمدللہ' قرآن مجید ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔''

۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا:

''مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد صرف کلمہ توحید ہے' نہ وطن' نہ نسل۔ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہ رہا تھا' وہ ایک الگ قوم کا فرد بن گیا تھا۔''

یہ اقتباس اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قائداعظم کی نظر میں قیامِ پاکستان کا سبب نہ ہندوؤں کی تنگ نظری تھی اور نہ انگریزوں کی چال' بلکہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔

۲۹ مارچ ۱۹۴۴ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں قائداعظم کی ایک تقریر شائع ہوئی جس میں انہوں نے فرمایا:

''کوئی حکومت اقلیتوں میں احساسِ تحفظ اور اعتماد پیدا کیے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ کوئی حکومت کامیاب نہیں ہوسکتی جس کی حکمت عملی اور پروگرام اقلیتوں کے ساتھ غیر منصفانہ' ناروا اور ظالمانہ ہو۔ ایک نمائندہ قسم کی حکومت کی کامیابی کی کسوٹی یہ ہے کہ اقلیتوں کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ ان کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ اس ضمن میں ہم دنیا کے کسی مہذب ملک سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ مجھے اعتماد ہے کہ جب وقت آئے گا ہمارے وطنوں میں اقلیتیں یہ محسوس کریں گی کہ ہماری روایات' ہمارا ورثہ اور اسلام کی تعلیمات نہ صرف مناسب اور منصفانہ ہوں گی بلکہ فیاضانہ۔''

۱۰ ستمبر ۱۹۴۵ء کو عید الفطر کے موقع پر پیغام دیتے ہوئے کہا:

''ہمارا پروگرام قرآن کریم میں موجود ہے۔ تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ قرآن غور سے پڑھیں۔ قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کرسکتی۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام صرف مذہبی اور اخلاقی اُمور تک محدود نہیں ہیں۔ تمام مسلمان قرآن کو ایک بنیادی ضابطہ کے طور پر تسلیم کرتے ہیں' نہ صرف دینیات کے اعتبار سے بلکہ سول اور فوجداری ضابطوں اور ایسے قوانین کے لحاظ سے جو بنی نوع انسان کے افعال اور املاک پر اللہ تعالیٰ کے غیر مبدّل قوانین کے طور پر محیط ہے۔ جہلاء کے سوا ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ قرآنِ کریم مسلمانوں کا عام ضابطہ حیات ہے۔ ایک دینی' معاشرتی' سول' تجارتی'

فوجی‘ عدالتی‘ فوجداری ضابطہ ہے۔ روح کی نجات سے لے کر جسمانی صحت تک‘ حقوق العباد سے لے کر فردِ واحد کے حقوق تک‘ اخلاقیات سے لے کر جرائم تک‘ اس دنیا میں سزا سے لے کر عقبیٰ میں سزا تک۔‘‘

۱۱/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قیامِ پاکستان کے بعد حکومت پاکستان کے اعلیٰ افسروں سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

’’پاکستان کو معرضِ وجود میں لانا مقصود بالذات نہیں‘ بلکہ مقصد کے حصول کے ذریعے کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایسی مملکت تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں‘ جو ہماری تہذیب وتمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں کو پوری طرح پنپنے کا موقع مل سکے۔‘‘

۳۰/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو یونیورسٹی اسٹیڈیم لاہور میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

’’اب میں آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہر شخص تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ یہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی ان عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے بوقتِ ضرورت اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہوگا۔ اپنا حوصلہ بلند رکھیے۔ موت سے نہ ڈریں۔ ہمارا مذہب ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ موت کا استقبال کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہمیں پاکستان اور اسلام کا وقار بچانے کے لیے اس کا مردانہ وار سامنا کرنا چاہیے۔ صحیح مقصد کے حصول کی خاطر ایک مسلمان کے لیے جامِ شہادت نوش کرنے سے بہتر اور کوئی راہِ نجات نہیں۔‘‘

۳۰/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے اپنی نشری تقریر میں مملکت پاکستان کا نقشہ یوں بیان کیا:

’’جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ پاکستان دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت ہے اور دنیا کا پانچویں نمبر پر سب سے بڑا خود مختار ملک۔ اب ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ وقت اور موقع ہے کہ وہ اپنی قوم کی خدمت کے لیے اپنا مکمل اور بہترین کردار ادا کرے‘ بڑی سے بڑی قربانی پیش کرے۔‘‘

۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

’’دنیا کی عظیم ترین ہستی حضرت محمدﷺ عظیم معلم تھے‘ عظیم رہنما تھے‘ عظیم سیاست دان تھے۔ ہم ان کی تعلیمات پر عمل کرتے رہے تو کسی میدان میں کبھی ناکامی نہیں ہوگی۔‘‘

آپ نے گیارہ اگست کے بیان کو بنیاد بنا کر پروپیگنڈا کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا اور فرمایا:

’’میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا‘ جو دیدہ ودانستہ اور شرارت سے پراپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں‘ جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں‘ یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نہ صرف رسم و رواج‘ روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ ہے‘ بلکہ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی حیات اور اس کے رویے بلکہ اس کی سیاست واقتصادیات وغیرہ پر محیط ہے۔ یہ وقار‘ دیانت‘ انصاف اور سب کے لیے عدل کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ ایک خدا اور خدا کی توحید‘ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ اسلام میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ مساوات‘ آزادی اور یگانگت‘ اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔‘‘

۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

’’اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا‘ بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔‘‘

۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبی میں خطاب کے دوران آپ نے فرمایا:

’’میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبر اسلامﷺ نے ہمارے لیے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔ اسلام کا سبق یہ ہے کہ مملکت کے اُمور ومسائل کے بارے میں یہ فیصلے باہمی بحث وتمحیص اور مشوروں سے کیا کرو۔‘‘

۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو جناح صاحب نے آسٹریلیا کے عوام سے اپنے نشری خطاب میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

’’ہماری عظیم اکثریت مسلمان ہے۔ ہم رسولِ خداﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں‘ ہم

اسلامی ملت و برادری کے رکن ہیں‘ جس میں حق‘ وقار اور خودداری کے تعلق سے سب برابر ہیں۔ نتیجتاً ہم میں اتحاد کا ایک خصوصی اور گہرا شعور موجود ہے۔‘‘

۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو انھوں نے سابق مشرقی پاکستان اور حالیہ بنگلا دیش کے شہر چٹاگانگ میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

’’آپ میرے جذبات کی اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں‘ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی قطعی اساس معاشرتی انصاف اور اسلامی سوشلزم پر استوار ہونی چاہیے‘ جو مساوات اور انسانی اخوت پر زور دیتا ہے۔‘‘

۱۷/اپریل ۱۹۴۸ء کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں قبائلی جرگے سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا:

’’میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان فرد مسلمانوں میں باہم مکمل اتحاد قائم کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دے اور میری مدد اور حمایت کرے۔ مجھے اعتماد ہے کہ آپ اس کام میں کسی فرد یا پاکستان کے کسی بھی علاقے سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ ہم مسلمان ایک خدا‘ ایک کتاب یعنی قرآن حکیم اور ایک رسول (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے بھی متحد ہو کے رہنا چاہیے۔‘‘

یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے محمد علی جناح نے من جملہ دیگر باتوں کے‘ اسلام کے اقتصادی نظام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

’’مجھے اس بات سے بہت دلچسپی رہے گی کہ میں معلوم کرتا رہوں کہ یہ ریسرچ سیل بینکاری کے ایسے طریق کار کیونکر وضع کرتا ہے جو سماجی و معاشی زندگی کے اسلامی نظریات کے مطابق ہوں۔ مغربی معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لاینحل مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ مغربی نظام انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کرنے اور بین الاقوامی میدان میں کش مکش اور چپقلش دور کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اگر ہم نے معیشت کا مغربی نظام اختیار کیا تو عوامی خوش حالی کی منزل ہمیں حاصل نہ ہو سکے گی۔ ہمیں دنیا کے سامنے وہ معاشی نظام پیش کرنا ہے جو مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر قائم ہو۔ ایسا کر کے گویا ہم مسلمان کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دیں گے‘ انسانیت کو سچے اور صحیح امن کا پیغام دیں گے۔ صرف ایسا امن ہی بنی نوع انسان کی خوشی اور خوشحالی کا امین و محافظ ہو سکتا ہے۔‘‘

ان اقتباسات کو سامنے رکھ کر شیطان بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ قائداعظم

پاکستان کو سیکولر بنانا چاہتے تھے۔ مگر ہمارا سیکولر طبقہ شیطان سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر مغربی ایجنڈا پر کار فرما دکھائی دے رہا ہے۔

ہمارے سیکولر حضرات گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کو ہی جناح کا آخری نقطہ نظر قرار دیتے ہیں۔ اس لادین طبقہ نے ہمیشہ قائداعظم کے بیانات کی مَن چاہی غلط تعبیر سے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور کر رہے ہیں۔ ان کے خیال میں پاکستان بننے سے پہلے قائداعظم کی تقاریر میں جو اسلام کے متعلق حوالہ جات ملتے ہیں‘ وہ عوام الناس میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کی غرض سے دیے گئے‘ مگر یہ محض تاویل کے سوا کچھ نہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے!

تحریکِ پاکستان میں علماء کا کردار

اس بات کو بھی دلیل کے طور پر بڑے زور و شور سے اچھالا جاتا ہے کہ قائداعظم کا مقصود چونکہ ایک سیکولر اسٹیٹ کا قیام تھا‘ اس لیے فنڈامنٹلسٹ یعنی علمائے ہند کی اکثریت تحریک پاکستان اور قائداعظم کے خلاف تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علمائے ہند کے ایک طبقہ نے اگر کانگریس کا ساتھ دیا تو علماء و مشائخ کے ایک بڑے طبقے نے اپنے اپنے انداز میں دوقومی نظریے اور تحریک پاکستان کے فروغ کے لیے خدمات بھی انجام دیں اور اس میں ہر مسلک اور مکتب فکر کے علماء نے قائداعظم کے شانہ بشانہ جدوجہد کی‘ جن میں چند معروف نام یہ ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی‘ مفتی محمد شفیع‘ مولانا احتشام الحق تھانوی‘ مولانا ظفر احمد انصاری‘ مولانا اطہر علی‘ مولانا راغب احسن‘ مولانا ابن الحسن جارچوی‘ مولانا عبدالحامد بدایونی‘ مولانا عبدالستار خاں نیازی‘ پیر جماعت علی شاہ‘ پیر صاحب مانکی شریف‘ پیر صاحب زکوڑی شریف‘ مولانا داؤد غزنوی (رحمہم اللہ) وغیرہ نے عوامی سطح پر لوگوں کو تحریک پاکستان کا پشتیبان بنایا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کانگریسی علماء کے متحدہ قومیت کے نعرے کو مدلل انداز میں چیلنج کیا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تحریک کی تائید کی۔ اسی لیے ان کے انتقال پر مسلم لیگ کی مرکزی ورکنگ کمیٹی نے قائداعظم کی زیر صدارت ان کی خدمات کا اعتراف کیا۔ قیامِ پاکستان کے صرف چار ماہ بعد مولانا مودودیؒ کی ریڈیو پاکستان پر اسلام کے اخلاقی‘ سیاسی‘ معاشرتی‘

اقتصادی اور روحانی نظام پر تقاریر اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قائداعظمؒ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانا چاہتے تھے نہ کہ سیکولر۔

”دو قومی نظریہ“ اور قائداعظم

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قائداعظم نے اپنی دس سالہ جدوجہد میں کبھی ”نظریۂ پاکستان“ یا ”دو قومی نظریہ“ کا لفظ استعمال ہی نہیں کیا‘ یہاں تک کہ قیامِ پاکستان کے پندرہ سال بعد تک ”نظریۂ پاکستان“ کی اصطلاح سے کوئی متعارف ہی نہیں تھا‘ بلکہ ۱۹۶۲ء میں قومی اسمبلی میں سیاسی جماعتوں کے قانونی بل پر بحث کے دوران ایک شخص نے یہ لفظ استعمال کیا۔ اس سفید جھوٹ کا پردہ چاک کرنے کے لیے قائداعظم کی ایک تقریر کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"It is by our own dint of arduous and sustained efforts that we can create strength and support our people not only to achieve our freedom and independence but to be able to maintain it and live according to Islamic ideals and principles. Pakistan not only means freedom and independence but the ***"Muslim Ideology"*** *which has to be preserved, which has come to us as a precious gift and treasure and which we hope other will share with us."*

(Some recent speeches and writing of Mr. "Jinnah" Published by Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1947, P.89)

ترجمہ: ”ہم اپنی سخت اور پیہم جدوجہد کے ذریعے قوت بہم پہنچا سکتے ہیں‘ ہم نہ صرف آزادی کے حصول کے لیے اپنے لوگوں کی معاونت کر سکتے ہیں‘ بلکہ انہیں ہم اس قابل بھی بنا سکتے ہیں کہ وہ اس کو قائم رکھیں اور اسلامی آدرش اور اُصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ پاکستان کا مطلب محض آزادی نہیں ہے‘ اس کا مطلب مسلم آئیڈیالوجی بھی ہے جس کا تحفظ کیا جانا باقی ہے‘ جو ہم تک ایک قیمتی تحفے اور خزانے کے طور پر پہنچا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں دوسری (اَقوام) بھی اس میں حصہ دار بن سکتی ہے۔“

اسلام کو روکنے کے لیے جمہوریت کی قربانی

ہمارے ہاں سیکولر طبقہ کی اس سے زیادہ ہٹ دھرمی اور تعصب اور کیا ہو سکتا ہے کہ عموماً اپنے مفادات کو تحفظ دینے کے لیے آئے روز جمہوریت کے استحکام کا بھونپو بجاتے نہیں تھکتے‘

لیکن جیسے ہی مغربی جمہوریت اسلام کے آگے بڑھنے کا سبب بنتی ہے تو اُس جمہوریت کو بھی ردی کی ٹوکری میں ٹھونس دیتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال کراچی کے انگریزی ”ماہنامہ ہیرالڈ“ میں شائع ہونے والے ملک گیر سروے کے بعض حقائق ہیں۔ یہ سروے برٹش کونسل اور ہیرالڈ کے باہمی اشتراک کا حاصل ہے۔ سروے کو "A Nation Reflects How Pakistan View itself at 70" کا عنوان دیا گیا ہے۔ ملک گیر سروے میں اہلِ پاکستان سے ستر (۷۰) سوالات پوچھے گئے ہیں۔ یہ سوالات اور ان کے جوابات ”ماہنامہ ہیرالڈ“ کے اپریل ۲۰۱۸ء کے شمارے کے ساتھ شائع کیے گئے ”سپیشل ایشو“ میں موجود ہیں۔ پوچھے گئے سوالات میں سے ایک اہم سوال اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ”نظریاتی تشخص“ کے حوالے سے تھا جس میں قائداعظم اور لیاقت علی خان کے دور سے لے کر ملک غلام محمد‘ ایوب خان‘ یحییٰ خان‘ ذوالفقار علی بھٹو‘ جنرل ضیاء الحق‘ بے نظیر بھٹو‘ جنرل پرویز مشرف‘ آصف علی زرداری اور میاں نواز شریف کے دور کی حکومتی پالیسیوں کی تشکیل میں مذہب کا کردار کے بارے میں تھا کہ ان ادوار میں حکومتی پالیسیوں کی تشکیل پر مذہب کتنا اثر انداز رہا ہے۔ اس کے جواب میں پاکستان کے ۷۵ فیصد شہریوں نے کہا کہ قائداعظم اور لیاقت علی خان کے دورِ حکومت میں مذہب پالیسیوں کی تشکیل کے سلسلے میں مرکزی کردار ادا کرتا رہا تھا۔ ان اعداد و شمار سے صاف ظاہر ہے کہ چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اس لیے قائداعظم اور لیاقت علی خان کے دور میں مذہب ہی کو پالیسیوں کی تشکیل کے سلسلے میں مرکزی کردار ادا کرنا تھا۔ ظاہر ہے ان اعداد و شمار نے سیکولر اور لبرل کرگسوں کے بیانیے کی دھجیاں اڑا دیں۔ اس لیے سیکولر طبقہ نے ان اعداد و شمار اور سروے کا انکار کر کے جوابی مضامین لکھنا شروع کر دیے ہیں۔

یہ محض مقامی صورتِ حال نہیں‘ اسلام کے حوالے سے اس رویے کی ایک عالمی تاریخ ہے۔ مغربی طاقتوں اور مغرب نواز سیکولر ٹولہ نے دنیا میں بڑھتی ہوئی اسلام پسندی کا راستہ روکنے کے لیے ہمیشہ تَن مَن دھن کی بازی لگائی ہے۔ کسی بھی طرح وہ اسلام کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں‘ چاہے ان کی جمہوریت ہی اسلام کے آگے بڑھنے کا سبب کیوں نہ بنے۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ ایران کے انقلاب سے پہلے سیکولر اور

لبرل مغرب کہا کرتا تھا کہ اسلام اب سیاسی تغیر لانے والی قوت نہیں رہا۔ ایران میں انقلاب آیا تو مغرب کے سیکولر اور لبرل حلقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ایران کا انقلاب تو طاقت یا ڈنڈے کے استعمال کا نتیجہ ہے‘ اسلام کہیں بھی جمہوریت یا ووٹ کے ذریعے اقتدار میں نہیں آ سکتا۔ لیکن الجزائر میں عباس مدنی کے اسلامی فرنٹ نے انتخابات کے پہلے مرحلے میں دو تہائی اکثریت حاصل کی تو مغرب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور اس نے الجزائر کی فوج کو اشارہ کر دیا۔ چنانچہ فوج اسلامی فرنٹ پر چڑھ دوڑی اور انتخابات کا دوسرا مرحلہ منعقد ہی نہیں ہو سکا۔ ترکی میں نجم الدین اربکان اقتدار میں آئے تو انہیں چلنے نہیں دیا گیا اور ایک سال میں انہیں اقتدار سے نکال باہر کیا گیا۔ فلسطین میں حماس نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی مگر امریکہ اور یورپ نے حماس کی جمہوری کامیابی کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ مصر میں صدر مرسی کی حکومت کے خلاف مصر کی فوج نے مغرب کے اشارے پر سازش کی۔ ملک میں اشیاء کی ’’مصنوعی قلت‘‘ پیدا کی گئی‘ پیٹرول کا بحران پیدا کیا گیا‘ چند مظاہرے کرائے گئے اور یہ کہہ دیا گیا کہ مرسی عوام میں مقبول نہیں رہے۔ اسی تاثر کو عام کر کے جنرل سیسی کو اقتدار پر قابض کرایا گیا اور مزاحمت کرنے والے ہزاروں مصریوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ ترکی کے رجب طیب اردگان سیکولر ترکی کے صدر ہیں اور وہ دو مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ اسلام اور سیکولرازم میں کوئی عدم مطابقت نہیں۔ مگر چونکہ سیکولر مغرب کو شبہ ہے کہ وہ اپنے دل میں اسلام کا درد رکھتے ہیں اس لیے مغرب نے فوج کے ذریعے رجب طیب اردگان کا تختہ الٹنے کی سازش کی‘ مگر عوام کی مزاحمت سے یہ سازش ناکام ہو گئی۔ یہ حقائق بتا رہے ہیں کہ مغرب اور اُس کے آلہ کار خواہ کتنا ہی جمہوریت‘ جمہوریت کیوں نہ کریں مگر انہیں اسلام سے اتنی نفرت ہے کہ وہ جمہوری ذرائع سے بھی اسلام کو فتح مند نہیں ہونے دیتے۔

قائد کی زندگی کے چند واقعات

ہمارے ہاں کا لادین طبقہ جب پاکستان کو سیکولر ریاست ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر بابائے قوم کی ظاہری بود و بوش کو دلیل بنا کر اور عوام کی نظروں میں اُن کے ایمان کو مشکوک بنا کر اسلام کے سپاہی کو سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے‘ لہٰذا مندرجہ بالا اقتباسات کے علاوہ بابائے قوم کی زندگی کے چند واقعات کو نقل کیا جاتا ہے تا کہ قارئین کو اس کنفیوژن سے

نکالا جا سکے کہ قائداعظم سیکولر ذہن کے مالک تھے یا ایک سچے اور مخلص مسلمان۔

ہم نے قائداعظم کی ہر سوانح عمری میں یہ واقعہ پڑھا ہے کہ جب وہ لندن میں بیرسٹری کے لیے داخلہ لینا چاہتے تھے تو انہوں نے ’’لنکز اِن‘‘ کو اپنی درسگاہ کے طور پر اس لیے منتخب کیا کہ لنکز ان میں دنیا کے عظیم ترین آئین یا نظامِ قانون دینے والوں کی فہرست میں ہمارے نبی آخر الزماں حضرت محمدﷺ کا نام گرامی بھی شامل تھا۔ چنانچہ قائداعظم نے اس سے متاثر ہو کر لنکز ان میں داخلہ لیا اور بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ چونکہ اس واقعہ کا انکشاف خود قائداعظم نے کراچی میں ایک موقع پر کیا تھا اس لیے یہ ایک مصدقہ حقیقت ہے۔

۱۹۱۸ء میں انہوں نے بمبئی کی ممتاز شخصیت سر ڈنشا کی بیٹی ’’رتی‘‘ سے شادی کرنا چاہی تو شادی سے قبل قبولِ اسلام کی شرط رکھی۔ ’’رتی ڈنشا‘‘ پہلے مسلمان ہوئیں اور پھر ان کا نکاح محمد علی جناح سے ہوا۔ قائداعظم اپنی بیٹی ’’دینا‘‘ کو بے حد چاہتے تھے‘ لیکن اس کے باوجود جب ’’دینا‘‘ نے کسی مسلمان نوجوان کی بجائے ایک پارسی نوجوان ’’نیوائل وادیا‘‘ سے شادی کا فیصلہ کیا تو قائداعظم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے تعلق ختم کر دیا۔ ’’دینا‘‘ ان کے جگر کا ٹکڑا تھی اور اس سے بیٹی کی حیثیت سے تعلقات رکھے جا سکتے تھے۔ ہمارے ہاں اس قسم کی لاتعداد مثالیں ہیں کہ لبرل قسم کے مسلمان مذہبی رشتہ ٹوٹنے کے باوجود اولاد سے سماجی تعلقات نبھاتے رہے‘ لیکن تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قائداعظم نے بیٹی سے مذہب کا رشتہ منقطع ہونے کے بعد ہر قسم کا رشتہ توڑ ڈالا۔ دوستوں سے کبھی اُن کا ذکر تک نہ کیا جیسے ان کی کوئی اولاد ہی نہ تھی اور پھر مرتے دم تک اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھی۔ شادی کے بعد ’’دینا‘‘ نے چند ایک بار اپنے والدِ گرامی کو خطوط لکھے۔ قائداعظم نے ایک مہذب انسان کی مانند ان خطوط کے جوابات دیے‘ لیکن ہمیشہ اپنی بیٹی کو ’’ڈیئر دینا‘‘ یا ’’پیاری بیٹی‘‘ کہہ کر مخاطب کرنے کی بجائے ’’مسز وادیا‘‘ کے نام سے مختصر جواب دیے۔ (بحوالہ سٹینلے والپرٹ‘ جناح آف پاکستان‘ صفحہ ۳۷۰) یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائداعظم کی بیٹی ’’مسز وادیا‘‘ اپنے باپ ’’قائداعظم‘‘ اور گورنر جنرل پاکستان کو دیکھنے کے لیے پاکستان آنا چاہتی تھی۔ اس نے اجازت چاہی۔ دوستوں نے قائداعظم سے درخواست کی‘ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ ’’دینا‘‘ پہلی اور آخری بار قائداعظم کی وفات کے موقع پر ہی پاکستان آ سکی اور مرحوم باپ کی

میت پر آنسو بہا کر واپس چلی گئی۔

مولانا حسرت موہانی وہ واحد شخص تھے جو بھری میٹنگوں میں اٹھ کر قائداعظم پر تنقید کرنے کی جرأت کرلیا کرتے لیتے اور پھر قائداعظم اپنے موقف کے حق میں دلائل دے کر انہیں مطمئن کرتے تھے۔ مولانا کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ وہ صبح سویرے ایک نہایت ضروری کام کے سلسلے میں قائداعظم کے گھر پہنچے' کیونکہ انہیں علم تھا کہ قائداعظم سحر خیز ہیں۔ چوکیدار نے انہیں انتظار گاہ میں بٹھا دیا کہ ابھی صاحب باہر نہیں نکلے' آپ انتظار کریں' لیکن مولانا قدرے بے چین طبیعت کے مالک تھے۔ کچھ دیر تو انتظار کرتے رہے پھر سوچا کہ میں خود ہی ان کو تلاش کر لیتا ہوں۔ جیسے ہی مولانا قائد کو تلاش کرنے کے لیے دوسرے کمرے کے دروازے تک پہنچے تو انہیں کسی شخص کے رونے اور آہ وزاری کی آواز آئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ رونے کی آواز سن کر پریشان ہوئے اور رک گئے۔ پھر یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون رو رہا ہے' انہوں نے خاموشی سے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ قائداعظم سجدے میں گرے ہوئے تھے اور گڑگڑا کر رو رہے تھے۔ مولانا حسرت موہانی کا کہنا ہے کہ وہ یہ منظر دیکھ کر دبے پاؤں واپس آ گئے۔ ظاہر ہے سجدے میں گر کر وہی شخص گڑگڑائے گا جس کے دل میں خوفِ خدا ہو اور جس کا باطن حُبِ الٰہی اور سوزِ دروں کے نور سے مالا مال ہو۔

اسلام نظریہ نہیں' مکمل ضابطہ حیات ہے: قائداعظم

قائداعظم کے بیانات اور تقاریر میں جا بجا اسلام کی آفاقیت' عالمگیریت اور اسلام کا متوازن تصور ملتا ہے اور ان کی ذاتی زندگی اور اُن کی فکر کو اگر مذہبی تناظر میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک نظریاتی اور سچے پکے مسلمان تھے۔ یہاں مندرجہ بالا اقتباسات کے علاوہ کچھ اور اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اُن کی سوچ کا زاویہ معلوم کرنے میں مدد ملے گی۔

قائداعظم دین اسلام کو محض پوجا پاٹ کا مذہب تصور نہ کرتے تھے' بلکہ وہ اسے اجتماعی زندگی کا مکمل ضابطہ تصور کرتے تھے۔ وہ دین اسلام کو محض ایک مذہبی نظریہ نہیں' بلکہ ایک حقیقت پسند اور عملی نظام تصور کرتے تھے۔ چنانچہ ۳ فروری ۱۹۳۹ء کو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام کے معنی صرف مذہب نہیں ہے' اسلام کا مطلب ہے ایک ضابطہ جس کا دنیا میں

اور کوئی ثانی موجود نہیں ہے۔ یہ ہے ایک مکمل قانونی اور عدالتی نظام اور معاشرتی اور معاشی نظام۔ اس کے اساسی اور بنیادی اصول ہیں: مساوات' اخوت اور آزادی۔''

قائداعظم کے نزدیک اسلام محض روحانی نظریہ نہیں' بلکہ انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی نظام ہے۔

۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو منعقدہ اجلاس میں کی گئی تقریر کے دوران اسلام کی خدمت کو اپنی زندگی کی واحد تمنا قرار دیا۔ تقریر کے چند فقرے نمونے کے طور پر پیش خدمت ہیں' انہیں پڑھیے اور غور کیجیے۔ ان الفاظ کے باطن میں جھانکیے تو آپ کو اصل جناح کا سراغ ملے گا۔ وہ جناح جو بظاہر انگریزی بولتا' مغربی لباس پہنتا اور مغربی طور طریقوں پر عمل کرتا تھا' لیکن وہ باطنی طور پر اس کے برعکس تھا۔

''مسلمانو! میں نے دنیا کو بہت دیکھا۔ دولت' شہرت اور عیش وعشرت کے بہت لطف اٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد و سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی۔ میں آپ سے اس کی داد اور شہادت کا طلبگار نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل' میرا ایمان اور میرا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعتِ اسلام کا حق ادا کر دیا۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبے میں علَمِ اسلام کو سربلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔''

یومِ حساب خدا کے حضور سرخروئی کا خیال' مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کا علم بلند کیے ہوئے مرنے کی آرزو اور رضائے الٰہی کی تمنا صرف اور صرف وہ شخص کرسکتا ہے جو سرتاپا سچا مسلمان اور پکا مؤمن ہو اور جس کا باطن خوفِ خدا کے نور سے منور ہو۔

۸ ستمبر ۱۹۴۵ء کو بابائے قوم عید کے موقع پر عوام سے یوں مخاطب ہوئے:

''اسلام محض روحانی عقائد اور نظریات یا رسم ورواج کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور پورے مسلم معاشرے پر محیط ہے۔ زندگی کے ہر شعبے پر من حیث المجموع اور انفرادی طور پر جاری وساری ہے۔''

مغربی لباس میں ملبوس انگریزی میں گفتگو کرنے والا یہ شخص بظاہر بود و باش کے اعتبار سے سیکولر نظر آتا تھا' مگر اس مغربی لباس کے اندر کے انسان کو دشمن بھی اسلام کا سپاہی

تصور کرتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک دس رکنی وفد ہندوستان کے سیاسی زعماء کے موقف کو سمجھنے کے لیے آیا۔ اس وفد کے ایک رکن ''مسٹر سورنسن'' نے بعد میں "My Impression of India" نامی کتاب لکھی' جس میں اُس نے ۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو قائداعظم سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے بارے میں کہا:

"He (Mr. Jinnah) is a sword of Islam resting in a secular scabbard."

''ترجمہ: وہ (مسٹر جناح) ایک سیکولر نیام میں اسلام کی تلوار ہیں۔''

۱۳ فروری ۱۹۴۶ء کو ''نیویارک ٹائمز'' میں قائداعظم کا ایک انٹرویو شائع ہوا۔ نامہ نگار نے قائد سے پوچھا کہ عربوں کے ساتھ آپ کی ہمدردی کا کیا تصور ہے؟ قائداعظم نے جواب دیا:

''اگر برطانیہ کی جانب سے فلسطین کے متعلق قرطاس ابیض میں اعلان کردہ حکمت عملی سے انحراف ہوا تو مسلمانانِ ہند خاموش تماشائی بنے نہیں رہ سکتے' اور وہ ہر ممکن طریقے سے عربوں کی حمایت کریں گے۔''

یعنی عربوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے طاقت بھی استعمال کرنا پڑی تو کریں گے۔ قائداعظم جیسے ٹھنڈے دل و دماغ کے شخص کا ایسی انتہائی بات کہنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ عالَمِ اسلام کی بقا کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ کیا ایسی بات کوئی سیکولر لیڈر کہہ سکتا ہے؟

۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو قائداعظم نے سبی دربار بلوچستان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے قائم کر رکھا ہے۔''

ان خیالات کا اظہار بابائے قوم نے پاکستان کے قیام سے صرف دو سال قبل کیا ہے۔ کیا ان خیالات کے حامل شخص کو کسی طرح بھی سیکولر کہا جا سکتا ہے؟

خلاصۂ کلام

قائداعظم کے مزاج کے اس پس منظر میں ان کی تقریریں پڑھیں تو احساس ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے محبت' اسلام کی بقا اور عظمت' اسوہ حسنہ' اپنے ضمیر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی جیسے احساسات و تصورات ان کے خون میں شامل تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تقریریں ان الفاظ اور ترکیبات سے اس قدر معطّر ہیں کہ ہر دوسری تیسری سطر میں مسلمان اور اسلام کے الفاظ سجے ہوئے ہیں۔ ان تقریروں کو پڑھ کر یوں احساس ہوتا ہے کہ جیسے قائداعظم

ہمہ وقت مسلمانوں اور اسلام کے روشن مستقبل کے بارے میں سوچتے رہے۔

ہمیں قائداعظم کے نظریات اور تصورات کی روشنی میں اس ملک کے عوام کو بلاتفریق مذہب' نسل' جنس حق شہریت تسلیم کرنا ہوگا۔ قائداعظم کے ایک ایک لفظ پر عمل کے ذریعے ہی پاکستان کی تکمیل ممکن ہے۔ جب تک آمریت' جبر' طبقاتی تقسیم' فرقہ واریت' تنگ نظری اور ظلم کے دروازے بند نہ ہوں گے تب تک پاکستانی معاشرہ اسلامی' پرامن' ترقی یافتہ' خوشحال اور آسودگی کے راستہ پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ ہم سب کو اپنے ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پاکستان کی تعمیر و ترقی اور استحکام کے لیے اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنا ہوگا۔ یہی راستہ ہے قائداعظم کے نظریے اور تصورات کو عملی جامہ پہنانے کا۔ بات اقلیتوں کی نہیں ہے' بات ہے مساوی حقوق کی' بات ہے مساوی قانون کی جو ایک عام شہری اور صدر پاکستان کے لیے ایک جیسے ہونا چاہیے۔ ہم سب آج سندھی' بلوچی' پنجابی اور پختون کا پاکستان علیحدہ کرنے کی کوشش میں ہیں' جبکہ ضرورت انسانیت اور پاکستان کا حق ادا کرنے کی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں' پاکستان اگر جسم ہے تو اسلامی نظریہ اس کی روح ہے۔ پاکستان کی اصل شناخت اس کا اسلامی ہونا ہے۔ آج اگر کسی دانشور کو علمائے دین سے کوئی بغض ہے تو اُسے اپنے دل و دماغ کی صفائی اور اصلاح کرنی چاہیے۔ اگر کوئی مغرب کی لادینی جمہوریت پر فریفتہ ہے اور وہاں کی مادر پدر آزادی کی حسرت میں مرا جا رہا ہے تو اُسے چاہیے کہ کسی مغربی ملک میں اپنا ٹھکانہ تلاش کرے۔ یہ ملک دین اسلام کی بنیاد پر بنا ہے' یہاں لادینیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس بات پر ہمارا یقین کامل ہے کہ پاکستان کی بقا اور سلامتی صرف اور صرف اسلام میں ہے۔ ۞۞۞

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت' اہمیت و لزوم اور مراحل و مدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

میّت کے حقوق اور پس ماندگان کی ذمہ داریاں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دنیا کی رنگینی اور دلکشی میں کھو کر انسان اپنی موت کو فراموش کیے رکھتا ہے‘ حالانکہ موت اٹل حقیقت ہے جس کا وقت معلوم نہیں۔ عقل و فراست کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ زندہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اپنے رشتہ دار اور دوست احباب ایک ایک کر کے دنیا چھوڑ رہے ہیں۔ ان میں ہر عمر کے لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی موت کو یاد رکھنا نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے رکنے کا ذریعہ ہے۔ ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ فوت ہونے والے شخص کو ادب و احترام کے ساتھ رخصت کیا جائے‘ اس کے نیک کاموں کا ذکر کیا جائے‘ جبکہ برے کاموں اور کوتاہیوں کے ذکر سے احتراز کیا جائے۔

جب کوئی شخص بیمار ہو اور اس کی زندگی ختم ہوتی نظر آ رہی ہو تو اس کے پاس کلمہ طیبہ کا جہری آواز میں ذکر کیا جائے تاکہ بیمار بھی یہ ذکر کرنے لگے‘ مگر مریض کو کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (رواہ ابوداوٗد والحاکم) ’’جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔‘‘ قریب الموت شخص کے پاس سورۂ یٰسین پڑھنے کا بھی حکم ہے۔ حضرت معقل بن یسار ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِقْرَءُوْا عَلٰى مَوْتَاكُمْ يٰسٓ)) (رواہ ابوداوٗد وابن ماجہ) ’’تم اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔‘‘ جب وہ شخص فوت ہو جائے تو لواحقین فرطِ غم سے آنسو تو بہائیں گے مگر انہیں جزع وفزع نہیں کرنا چاہیے بلکہ صبر کا دامن تھام کر رکھنا چاہیے۔ اور اس صبر کا بہت بڑا اجر ہے۔ فوت شدہ شخص کے لواحقین کے پاس تعزیت کے لیے جانے والے ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘ پڑھیں اور یہ کہہ کر صبر کی تلقین کریں کہ پروردگار کا یہی فیصلہ تھا جو ہو گیا اور اللہ کے فیصلے کو صبر کے

ساتھ برداشت کرنا ہی اچھا ہے اور کلمہ افسوس کہنا درست نہیں‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔ بلکہ موت تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کی حیثیت سے مطلوب و محبوب ہے‘ لہٰذا میت پر بے صبری کا اظہار اور شکوہ و شکایت کرنا ناپسندیدہ ہے اور میت کے حق میں بھی اچھا نہیں۔

کسی کی موت واقع ہو جائے تو فوری طور پر اس کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو جانا چاہیے تاکہ اس کو جلدی سے قبر میں پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ اگر مرنے والے کی آنکھیں کھلی رہ گئی ہوں تو بند کر دی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ جب ابوسلمہ ؓ کی میت پر آئے تو آپؐ نے ان کی کھلی آنکھوں کو بند کر دیا اور پھر دعا فرمائی: ’’اے اللہ! ابوسلمہؓ کی مغفرت فرما‘ اپنے ہدایت یافتہ بندوں میں اس کا درجہ بلند فرما اور اس کے بعد اس کے پسماندگان کی سرپرستی اور نگرانی فرما۔ ربّ العالمین! بخش دے ہم کو اور اس کو اور اس کی قبر کو وسیع اور منور فرما‘‘۔ (ماخوذ از صحیح مسلم‘ عن اُمّ سلمہؓ)

فوت ہونے والے شخص کو دیکھ کر انسانی ہمدردی اور فطری تعلق کی بنا پر آنسو بہہ نکلنا عام حالت ہے‘ اس لیے اس سے منع نہیں کیا گیا۔ عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے جب سعد بن عبادہ ؓ کو بیماری کی سختی میں دیکھا تو آپؐ کے آنسو بہہ نکلے☆۔ صحابہ کرامؓ نے جب آپؐ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: لوگو! اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج و غم پر تو سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپؐ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی غلط روی یعنی جزع وفزع کرنے پر سزا بھی دیتا ہے اور ’’اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ‘‘ پڑھنے (اور دعا و استغفار کرنے) پر رحمت بھی فرماتا ہے‘ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔ (ماخوذ از صحیح بخاری و صحیح مسلم‘ عن عبداللہ بن عمرؓ)

چونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا‘ لہٰذا محدثین نے اس حدیث کی شرح اس طرح کی ہے کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب

☆ واضح رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ اس بیماری سے شفایاب ہو گئے تھے اور آپؐ کا انتقال حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت میں ہوا۔

نہ ہوگا‘ بلکہ یہ اس صورت میں ہے کہ مرنے والا عربوں کے دستور کے مطابق رونے اور نوحہ کرنے کی وصیت کر گیا ہو یا اس نے زندگی میں اپنے گھر والوں کو رونے پیٹنے سے کبھی منع نہ کیا ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابوبردہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوموسیٰؓ پر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی تو ان کی بیوی اُمّ عبداللہؓ بلند آواز سے رونے اور بین کرنے لگیں۔ پھر ابوموسیٰؓ کو ہوش آ گیا تو انہوں نے (اپنی بیوی سے) فرمایا: کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’جو کوئی (موت اور غمی کے موقع پر) سر منڈائے یا چلائے یا کپڑے پھاڑے تو میں اس سے بری اور بے تعلق ہوں‘‘۔ ابوبردہؓ کہتے ہیں کہ ابوموسیٰؓ یہ حدیث اپنی بیوی کو اکثر سنایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اسی طرح صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّةِ))

(متفق علیه)

’’جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر طمانچے مارے‘ گریبان چاک کرے اور اہل جاہلیت کا سا واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں)۔‘‘

مصیبت میں صبر اجر کا باعث ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۱۵۳﴾ (البقرة) ’’اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے‘‘۔ اس لیے کہ مصیبت پر صبر کرنا راضی برضا رہنے کا مظہر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ﴾ (التغابن:۱۱) ’’کوئی مصیبت نہیں آتی سوائے اللہ کے حکم سے۔‘‘

انسان فوت ہو جائے تو اس کے کفن دفن کی تیاری میں لگ جانا چاہیے۔ اوّل میت کے کپڑے اتارے جائیں۔ اگر کوئی انگوٹھی یا چھلہ پہنا ہوا ہو تو وہ بھی اتار دیا جائے اور ناف سے لے کر گھٹنوں تک بدن ڈھانپ دیا جائے۔ پھر تختے پر لٹا کر کانوں‘ نتھنوں اور منہ میں روئی کے پھائے رکھ دیے جائیں تا کہ پانی داخل نہ ہو۔ بیری کے پتے ڈال کر پانی گرم کیا جائے۔ نہلانے والا ہاتھوں میں دستانے چڑھا لے‘ استنجا کرائے اور پھر وضو۔ اب پانی کے ساتھ

دونوں کروٹوں کے بل تین یا پانچ مرتبہ جسم پر پانی بہائے۔ نہلانے میں صفائی کے لیے صابن بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اپنے بدن کی ٹیک لگا کر میت کو بٹھایا جائے اور اس کے پیٹ کو اوپر سے نیچے دبایا جائے۔ اگر کوئی فضلہ وغیرہ نکلے تو اس کو صاف کر دیا جائے۔ پھر کافور ملا پانی دو تین مرتبہ جسم پر بہا دیا جائے اور جسم خشک کر دیا جائے۔ اب ترجیحاً سفید کپڑے کا کفن پہنایا جائے۔ مرد کے کفن میں تین اور عورت کے کفن میں پانچ کپڑے ہوں۔ کفن پہنانے کے بعد کفن پر عطر یا کوئی اور خوشبو لگا دی جائے۔ کفن کا کپڑا اچھا ہو لیکن بیش قیمت نہ ہو۔ پھر میت کو چارپائی پر لٹا دیا جائے اور چارپائی کو آگے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ جنازہ پڑھنے والوں کے پیش نظر آخرت کا ثواب ہو‘ میت کے لواحقین کو خوش کرنا نہ ہو۔ اس پر بہت بڑے ثواب کی بشارت ہے۔ نماز جنازہ مسنون طریقے سے ادا کی جائے جس میں میت کے علاوہ دیگر زندہ اور فوت شدگان مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کی جائے۔ نماز جنازہ سجدے کے بغیر مسنون دعاؤں پر مشتمل ہے‘ جس میں امام خفیہ پڑھے یا بلند آواز سے‘ دونوں طرح جائز ہے۔ نماز جنازہ کی چار تکبیرات کہنا امام کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا ثابت نہیں۔

جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف چل پڑیں۔ جنازے کو کندھا دینا بھی اجر و ثواب کا باعث ہے۔ حدیث شریف کے مطابق نماز جنازہ پڑھنے والوں کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو شخص جنازہ پڑھنے کے بعد تدفین میں بھی شریک ہوا‘ تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔ آخرت کے یہ قیراط اُحد پہاڑ کے مانند ہوں گے۔ جنازے کو اٹھا کر جلدی چلنے کا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جنازے کو تیزی سے لے جایا کرو‘ اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لیے) خیر ہے جہاں تم اس کو جلدی پہنچا دو گے‘ اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک برا بوجھ ہے (تم تیز چل کر جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔‘‘ (صحیح بخاری وصحیح مسلم‘ عن ابی ہریرہؓ) نماز جنازہ میں تین یا تین سے زیادہ صفیں ہوں۔ جنازہ پڑھنے والوں کی زیادہ تعداد پسندیدہ ہے۔ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا کہ ’’جس بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (اور اس کی مغفرت اور جنت کی دعا کریں) تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی اس

بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے‘‘۔ (سنن ابی داوٗد)

جب میت کو قبر میں اتارا جائے تو ’’بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ‘‘ پڑھا جائے۔ (ہم اس بندے کو اللہ کے پاک نام اور اس کی مدد سے اور اس کے نبی کے طریقے پر سپردِ خاک کرتے ہیں۔) (ماخوذ از جامع ترمذی‘ عن ابن عمرؓ)

بغلی قبر کو پسندیدہ کہا گیا ہے‘ کیونکہ آپ ﷺ کی قبر بھی بغلی تھی۔ اگر زمین بغلی قبر کے لیے موزوں نہ ہو تو سادہ بھی بنائی جا سکتی ہے۔ پھر قبر کو اوپر سے ڈھانپ کر مٹی ڈال دی جائے۔ حاضرین میں سے کوئی شخص قبر کے سر کی جانب سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات (مُفْلِحُوْنَ تک) پڑھے اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے ختم سورۃ تک پڑھے۔ قبر کے اندر قرآنی آیات یا اور کوئی تحریر لکھ کر ڈالنا منع ہے۔ اسی طرح کفن پر آیت الکرسی یا کوئی دوسری آیات لکھنا درست نہیں۔ قبر زیادہ بلند نہ بنائی جائے‘ بس ایک بالشت اونچی مناسب ہے۔ دیرپا قبریں بنانا مسنون نہیں۔ پس قبر مٹی کی بنائی جائے تاکہ وہ کچھ عرصے بعد خود ہی ختم ہو جائے‘ کیونکہ یہ تو مرنے والے کے اعمال ہیں جو اس کے ساتھ جائیں گے‘ باقی مال و دولت اور جائیداد دنیا میں ہی رہ جائے گی جو ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی‘ جو عموماً لڑائی جھگڑے اور فساد کا موجب بنتی ہے۔ قبر کی مضبوطی اور خوبصورتی کسی کام کی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچ (سیمنٹ وغیرہ) سے پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر بیٹھا جائے (صحیح مسلم عن جابرؓ)۔ قبر بالکل سادہ اور کچی ہو۔ اگر اس پر عمل ہو گا تو قبروں پر کسی طرح کی خرافات نہ ہوں گی۔ شاندار مقبروں اور پُرتکلف قبروں کی اجازت نہیں۔ بلاشبہ قبروں کی بے حرمتی کی ممانعت ہے۔ حضرت عمرو بن حزم ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ’’اس قبر والے کو تکلیف نہ دو‘‘ (مسند احمد)

میت کو غسل دینا اور قبر کھودنا بڑے اجر کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص میت کو غسل دیتا ہے اور اس کے ستر کو اور اگر کوئی عیب پائے تو اس کو چھپاتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس کے چالیس بڑے گناہ معاف فرما دیتے ہیں‘ اور جو میت کے لیے قبر کھودتا ہے اور اس کو اس میں دفن کرتا ہے تو گویا اس نے دوبارہ زندہ اٹھائے جانے تک اس کو ایک مکان میں ٹھہرا دیا۔ یعنی

اس کو اس قدر اجر ملتا ہے جتنا کہ اس شخص کے لیے قیامت تک مکان دینے کا اجر ملتا۔ (طبرانی‘ مجمع الزوائد‘ بحوالہ منتخب احادیث‘ از محمد یوسف کاندھلوی)

میت کے اہل خاندان غمگین اور افسردہ ہوتے ہیں‘ لہٰذا قریبی عزیز یا ہمسایہ ان کے کھانے کا انتظام کرے۔ میت کے لواحقین کے ہاں تعزیت کرنا مسنون ہے‘ مگر ان کے ہاں زیادہ دیر رکنے اور کھانا کھانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ غم زدہ خاندان کے ساتھ ہمدردانہ گفتگو کی جائے‘ انہیں صبر کی تلقین کی جائے اور صبر کی فضیلت بیان کی جائے۔ انہیں یہ نہ کہا جائے کہ بڑا افسوس ہے بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو صبر کے ساتھ قبول کرنے کی فضیلت بتائی جائے۔

میت کا سوگ صرف تین دن تک ہے‘ لہٰذا تعزیت کرنے والے صرف ان تین دنوں میں سوگوار خاندان کے ہاں جائیں۔ بعد ازاں اہل خاندان اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائیں۔ تعزیت بذریعہ خطوط بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ کا بیٹا فوت ہو گیا تو نبی مکرم ﷺ نے انہیں تعزیت کا خط لکھوایا جس میں اس صدمے پر ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ یہ خط معجم الکبیر للطبرانی میں موجود ہے۔

میت کے وارثوں کا فرض ہے کہ وہ مرنے والے کے ذمہ اگر قرضہ ہو تو اس کی ادائیگی کا فوری انتظام کریں‘ کیونکہ جب تک میت کے ذمہ قرض ہے اس کی بخشش نہ ہو گی‘ خواہ وہ اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد میں قتل ہو کر شہید ہو جائے۔ اگر مرنے والا جائیداد چھوڑ کر مرا ہو تو اس کی وصیت پر عمل کیا جائے (اگر وہ وصیت کر گیا ہو) وصیت قرض ادا کرنے کے بعد بچنے والے مال کے ۱/۳ حصہ میں کی جا سکتی ہے۔ یہ اگر کسی جائز وارث کے حق میں کی ہو گی تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ وراثت کا مال اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کرنا فرض ہے‘ یعنی لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہو گا۔ لڑکیوں کو وراثت سے محروم رکھنا حقوق العباد کی تلفی ہے جس کا مواخذہ ہو گا۔

قبرستان میں جانے کی اجازت ہے‘ جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ دنیا کی بے ثباتی مستحضر رہے۔ مسنون یہ ہے کہ قبرستان میں جائیں تو اہل قبور پر اس طرح سلام پڑھیں اور ان کے لیے دعا کریں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ، وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ

بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ، نَسْئَلُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ (صحیح مسلم‘ عن بریدۃؓ)

"سلام ہو تم پر ان گھر والے مؤمنوں اور مسلموں میں سے اور ان شاء اللہ ہم تم سے آ ملنے والے ہیں‘ ہم اللہ سے دعا اور سوال کرتے ہیں اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کا (یعنی چین اور سکون کا)۔"

رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ میں چند قبروں پر ہوا۔ آپؐ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ، اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ

(جامع الترمذی‘ عن ابن عباسؓ)

"سلام ہو تم پر اے قبروں والو! اللہ تعالیٰ ہماری بھی مغفرت کرے اور تمہاری بھی۔ تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے آنے والے ہیں۔"

تلاوت قرآن کا ثواب بھی میت کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس میں ہمدردی اور خلوص ہونا لازم ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے مختلف تقریبات کا منعقد کرنا بے سند ہے اور بدعت ہے۔ البتہ فوت شدگان کے لیے زندوں کی طرف سے بہترین تحفہ جس کی ان کو ضرورت ہوتی ہے‘ دعائے استغفار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قبر میں مدفون مردے کی مثال بالکل اس شخص جیسی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کے لیے چیخ و پکار کر رہا ہو‘ وہ بے چارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں باپ‘ بہن بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت اور مغفرت کا تحفہ پہنچے۔ جب اس کو کسی طرف سے دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اسے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب اور عزیز ہوتا ہے۔ دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مُردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جا سکتی ہے اور مُردوں کے لیے زندوں کا خاص تحفہ ان کے لیے دعائے مغفرت ہے۔" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

❁ ❁ ❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر "بیان القرآن" کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘ آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

بقیہ: عرضِ احوال

یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کی شمال مغربی سرحد کی رضا کارانہ طور پر حفاظت کرنے والے قبائلی دوست ریاست کے دشمن کیوں بن گئے؟ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اچھا معالج مرض کے ابتدائی سطح پر ہی میجر آپریشن کا فیصلہ نہیں کرتا۔ وہ دوا دارو سے کام لیتا ہے۔ مریض کو اُن خطرات سے آگاہ کرتا ہے جو مرض کے بگڑنے کی صورت میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ فکری امراض جسمانی امراض سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ فکری مریض زیادہ توجہ کا مستحق ہوتا ہے‘ اُسے دعوت و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کی ناپختہ سوچ کو صحیح راہ پر لانے کے لیے محنت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ فکری مریض کو صرف طاقت کے بل بوتے پر راہ راست پر نہیں لایا جا سکتا۔ طاقت کا فوری استعمال بسا اوقات اُسے دشمن کی صفوں میں دھکیل دیتا ہے۔ پھر یہ کہ اُس کے تحفظات کو ایڈریس کرنے اور بلاتعصب ایڈریس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نکتہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ نائن الیون اور سانحہ لال مسجد سے پہلے پاکستان میں دہشت گردی کا نام و نشان نہیں تھا۔

ہمارے نزدیک پاکستان میں سیکولرازم کا خاتمہ اور اسلام کا حقیقی نفاذ یقینی طور پر اُس پراپیگنڈے کی ہوا نکال دیتا جسے آڑ بنا کر دشمن دہشت گردی کروا رہا تھا۔ اسلام کا عادلانہ نظام دشمن کے منحوس عزائم کو ناکام بنا دیتا۔ لیکن بدقسمتی سے ہم نے ڈنڈا گھمانے پر اکتفا کیا۔ سیدھی سی بات ہے کہ بھارت‘ امریکہ اور اسرائیل جیسی اسلام دشمن قوتیں کبھی یہ نہ چاہیں گی کہ پاکستان میں اسلام کا عادلانہ نظام رائج ہو۔ وہ اس حوالے سے ایک طرف ریاست کی مقتدر قوتوں کو دباؤ میں لائیں گی اور دوسری طرف دہشت گردوں کی پشت پناہی کریں گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارا یہ ملک جو اس اعتبار سے یقیناً بہت منفرد اور مقدس ہے کہ اسلام کے نام پر بنا‘ لیکن آج اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری کے باعث اللہ کی رحمت اور نصرت سے محروم ہے۔ بلکہ ﴿ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ......﴾ کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں سے دوٹوک وعدہ کیا ہے کہ: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾۔ واضح رہے کہ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے‘ کفار سے نہیں ہے!

تو غور کیجیے‘ کیا آج ہم دنیا میں سربلند ہیں؟

حرفِ آخر

جاری کردہ ''پیغامِ پاکستان'' کا مخمصہ یہ ہے کہ پاکستان کے حکمران اور تمام مقتدر قوتیں آئینی اور قانونی طور پر وہ حقوق یا قوت حاصل کرنا چاہتی ہیں جو صحیح معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست کو حاصل ہیں۔ لیکن پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی راہ میں جو حقیقی رکاوٹیں موجود ہیں انہیں دور کرنے کو تیار نہیں۔ ریاست پاکستان اس وقت اسلامی اور سیکولر قوانین کا ملغوبہ ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اسلامی ریاست کے خلاف جدوجہد یقیناً جرم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ریاست پہلے ثابت تو کرے کہ وہ حقیقی طور پر اسلامی ریاست ہے۔ یہ ثبوت نظری طور پر بھی (یعنی آئین اور تعزیراتِ پاکستان کے مطابق) پیش کیے جائیں اور عملی طور پر ریاستی سطح پر ان کا نفاذ بھی ہو۔ جب آپ اسلامی نظریاتی کونسل میں ایسے لوگ بٹھا دیں گے جو واضح طور پر کہتے ہیں کہ ''ریاست کی سطح پر دین کی بات کرنے کا کسی کو حق نہیں'' مزید برآں ایسے نام نہاد مذہبی سکالرز کی حوصلہ افزائی کریں گے جو اس طرح کی موشگافیاں کرتے ہیں کہ ''پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا از روئے شرع کہیں مطلوب نہیں'' اور حکمرانوں کی طرف سے عملی مظاہرہ بھی ان اقوال کی روشنی میں ہو رہا ہو تو پھر آپ ان حقوق یا قوت کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب کیسے ہو سکتے ہیں جو ایک اسلامی ریاست کا حق ہے؟ اگر مذہب کو ریاستی امور میں دخل اندازی کا حق نہیں ہے تو ریاست کو محض اپنے مفادات کے تحت مذہب کو استعمال کرنے کا حق کیسے حاصل ہو گیا؟ ❁❁❁

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے　اشاعتِ عام: 35 روپے

قرآن حکیم کی عظمت، تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور　فون: 042-35869501-3

maktaba@tanzeem.org

Aug 2018
Vol.67

Regd. CPL No.115
No.8

Monthly **Meesaq** Lahore

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، آپؐ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501

maktaba@tanzeem.org